اورنگ زیب قاسمی

صحرا میں شام

مراکو کا سفرنامہ

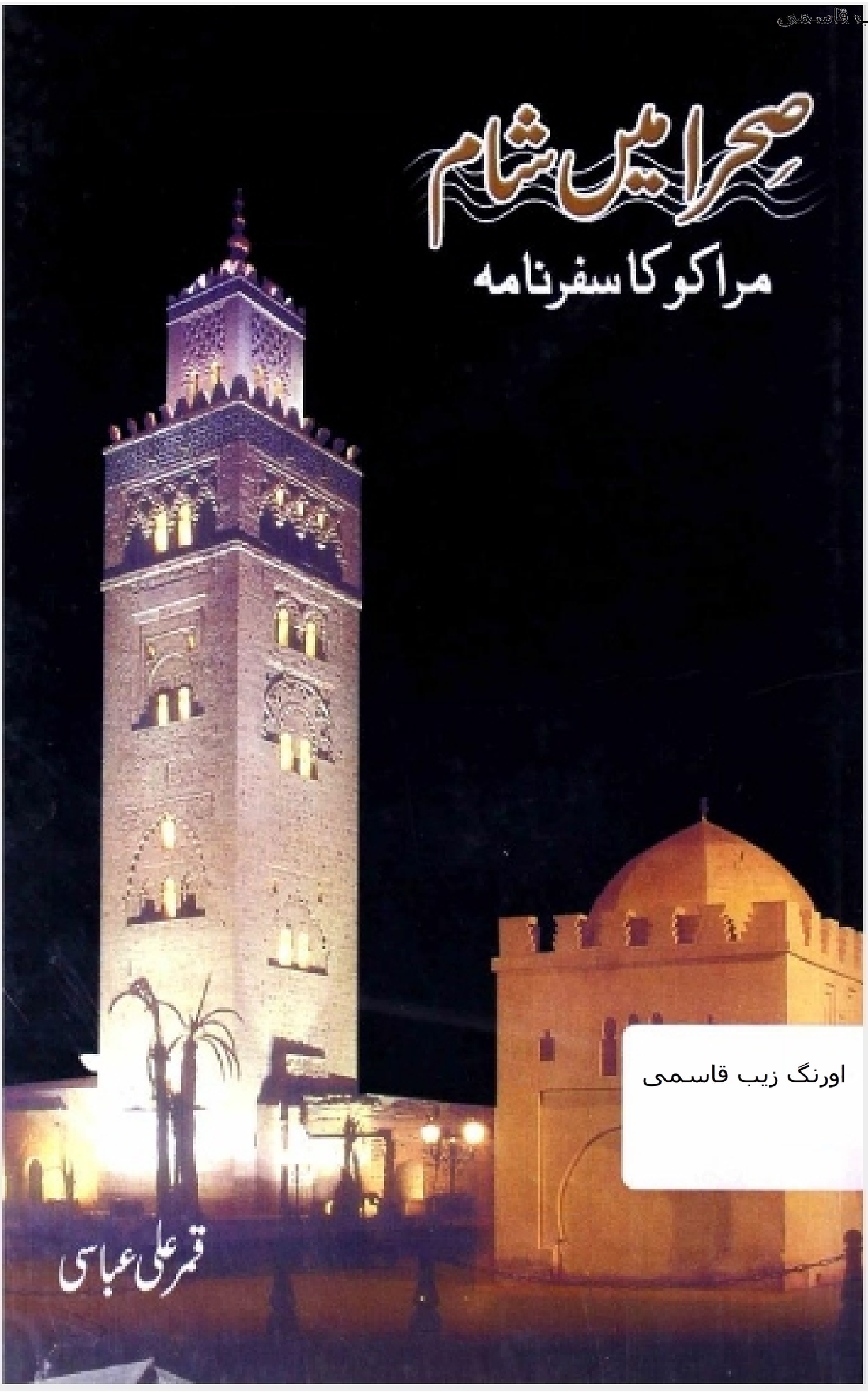

اورنگ زیب قاسمی

قمر علی عباسی

اورنگ زیب قاسمی

صحرا میں شام

مراکو کا سفرنامہ

قمر علی عباسی

ویلکم بک پورٹ (پرائیوٹ) لمیٹڈ
مین اردو بازار، کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

مصنف	قمر علی عباسی
ناشر	ویلکم بک پورٹ (پرائیوٹ) لمیٹڈ اردو بازار، کراچی۔
جلد اوّل	۲۰۰۲ء
زیر اہتمام	سید محمد قیصر زیدی (چیئرمین)
تزئین	اصغر زیدی
کمپوزنگ	احمد گرافکس، کراچی
ٹائٹل ڈیزائن	سوفٹ لنک
پرنٹرز	اے۔بی۔سی۔ پرنٹرز
قیمت	۲۰۰ روپے

ویلکم بک پورٹ (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اردو بازار، کراچی
فون: 021-2639581/2633151
فیکس: 021-2638086
E-mail: welbooks@hotmail.com

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محترمہ خورشید عالم
کے لئے
نیک خواہشات
[signature]
البنی - نیو یارک
17/10/2003

میرے ہر سفر کی منزل
میرے ہر نفس کی ساتھی
نیلوفر عباسی

راز کی بات

1996 میں اسپین گئے۔ پروگرام کے مطابق جبرالٹر بھی جانا تھا۔ ہمارا خیال تھا یہ اسپین کا شہر ہے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا جبرالٹر ڈیڑھ کلو میٹر کا ایک ملک ہے۔ برطانیہ بہادر کی حکومت ہے۔ ہمارے پاس شینگن زون ویزا تھا۔ جس سے یورپ کے آٹھ ملک دیکھے جا سکتے تھے۔ اسپین بھی اس کے توسط سے گئے تھے۔ لندن سے سفر کا آغاز کیا تھا لہٰذا برطانیہ کا ویزا بھی لیا تھا۔

اسپین اور جبرالٹر کو جدا کرنے والی لوہے کی سرخ زنجیر کے پاس ہمیں روک لیا گیا۔

''جبرالٹر کا ویزا کہاں ہے''...... امیگریشن آفیسر نے پاکستانی پاسپورٹ دیکھ کر پوچھا۔

''ہمارے پاس شینگن زون اور برطانیہ کا ویزا ہے۔''

''جبرالٹر کا ویزا ہے؟'' امیگریشن آفیسر نے سوال دہرایا۔

''جی نہیں وہ......''

"سوری..... آپ جبرالٹر میں داخل نہیں ہو سکتے۔" امیگریشن آفیسر نے پاسپورٹ واپس کر دیا۔

"آپ ساتھ والا شہر دیکھ لیں۔ ہم لوگ تین گھنٹے بعد واپس آئیں گے۔ اس جگہ مل جایئے گا۔" گائیڈ نکولا نے کہا۔ اور ہمارے ساتھی سیاحوں کو لے کر آگے بڑھ گئی۔ جبرالٹر میں داخل ہو گئی۔

ہماری پشت پر چند گز کے بعد اسپین کا چھوٹا شہر تھا اور سامنے ایک بلند ہاتھی کی طرح پہاڑ کھڑا تھا یہ جبل الطارق ہے۔ 711 عیسوی میں مراکو میں رہنے والے بہادر قبیلے بربر کے ایک سپاہی طارق بن زیاد اس پہاڑی پر اترا تو یہ اس کے نام سے منسوب ہو گئی۔ اور آج تک جبرالٹر کہلاتی ہے۔

ہم نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ "بے شک میرا رب جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔" اس گرم دوپہر ہم نے فیصلہ کیا 12 کلو میٹر دور مراکو ضرور دیکھیں گے جس کے بہادر سپاہی طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر نے چند ہزار سپاہیوں اور اللہ کی مدد سے پورا اسپین فتح کر لیا سمندر میں گھوڑے ڈال کر کہا۔ "میرے رب تیری زمین ختم ہوئی۔" اور پھر فرانس میں داخل ہو گئے افسوس بغداد کے خلیفہ ولید بن عبدالمالک نے ان کے قدم روک دیے۔ تاریخ سانس روک کر کھڑی ہو گئی۔ اور پھر جب اس کا سفر جاری ہوا تو مسلمانوں کی تاریخ بے گناہوں کے خون سے لکھی گئی۔

جبل الطارق اور مراکو کے درمیان 12 کلو میٹر کا فاصلہ بڑھتا رہا۔ ہم پاکستان سے امریکہ آئے۔ غم دوراں نے گھیر لیا لیکن ۔

گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

مراکو کے ریگزار، کو ہسار بلاتے رہے۔ خشک میدان۔ نیلے ساحل صدا دیتے رہے۔ سفید نیلے گلابی زرد شہر انتظار کرتے رہے۔ چھ سال گزر گئے۔ پھر اچانک نیو یارک اور مراکو کا فاصلہ سمٹ گیا۔ ایک رات جہاز ہمیں لے کر کیسا بلانکا کے ہوائی اڈے پر اتر گیا۔ لیکن ہم نے اتنی دیر کر دی کہ

نہ جنوں رہا نہ پری رہی

بس یہی روداد سفر ہے۔

اسے پڑھ کر آپ اداس نہ ہوں۔ ہمارا اگلا پڑاؤ وہاں ہوگا جہاں آسمان پر سفید بادل اڑتے ہیں۔ حد نظر تک پھول کھلتے ہیں۔ نیلے پانی کی جھیلیں منظر کی تصویریں بناتی رہتی ہیں۔ اور فضا میں دھنک رنگ بکھرے رہتے ہیں۔ آپ ہمارے لیے دعا کریں اور ہم آپ کی راحت اور فرحت کی دعا کریں گے۔

قمر علی عباسی

یکم نومبر 2001
نیو یارک (امریکہ)

فہرست

سی۔ بائی۔ فلائی ۱۵

نورا سے ملاقات ۲۱

رباط کی سیر ۳۰

بربر وسکی ۴۱

فاس میں آمد ۴۶

ایک تصویر بتاں ۴۹

پیٹرا کے ساتھ سیر ۵۹

فاس میں ذاتی لنچ ۶۳

المملکت المغربیہ ۶۸

بربر کس کس ۷۳

مراکو میں رات ۸۲

جادوگری ۸۷

مسلمان ہیں پاسپورٹ دکھائیں ۹۱

صحرا میں شام ۹۸

روز ویلی میں روز غائب ۱۰۳

ماؤنٹ اطلس۔ 2250 میٹر ۱۰۸

مراکش گلابی ہے ۱۱۳

یاجیبی ۱۲۱

اک دکان سو علاج ۱۲۸

سکہ میں خریداری ۱۳۳

ہمارے اعزاز میں رقص ۱۳۹

کیسا بلانکا میں واپسی ۱۴۷

وہائٹ ہاؤس کی سیر ۱۵۱

لفٹ کا دروازہ بند ہوا ۱۵۷

سی۔ بائی۔ فلائی

مراکو جاتے ہوئے ایمسٹرڈم کے ہوائی اڈے پر ہمارا قیام سوا نو گھنٹے تھا۔

خیال تھا جون کا مہینہ ہے۔ ایمسٹرڈم میں ہر طرف پھول ہی پھول ہوں گے۔ گلی کوچے میں بہار لب و رخسار پر نکھار ہوگا۔ ہوائی اڈے سے نکل کر ٹیولپ کے کھیتوں میں چلے جائیں گے۔ ہوا سے چلتی پن چکیاں بازاروں راستوں میں اٹھلاتی بل کھاتی پری چہرہ خوش اداماہ رخوں کی وہ رنگین کہانیاں جمع کریں گے جنہیں سن کر نیو یارک کے احباب برف سے ڈھکی شاموں میں چہرہ آفتاب اور دل مہتاب کرلیں گے۔

تمام رات سفر کے بعد ایمسٹرڈم پہنچے تو بھی چاق و چوبند تھے۔ دندناتے کاؤنٹر پر گئے۔

پاسپورٹ پر جلدی سے ویزا لگایئے۔ شہر میں بازار سجے اور پھول ہمارے انتظار میں کھلے ہوں گے۔"

وہاں سے اطلاع ملی۔ "یہ کام امیگریشن والے انجام دیتے ہیں۔ براہ کرم ان سے رجوع کیجیے۔" ایرپورٹ پر یہ جگہ آسانی سے مل جاتی ہے۔ اس سمت گئے تو کاؤنٹر خالی تھا۔ ذرا دیر ہم سرخ لائن پر کھڑے رہے جہاں مسافروں کو ٹھہرنے کی ہدایت ہوتی ہے۔ لیکن کسی نے نہیں بلایا مجبوراً کاؤنٹر پر پہنچے۔ ایک صاحب نمودار ہوئے۔ ہم نے پاسپورٹ ان کے سامنے رکھ دیا۔

"آپ کا خوبصورت شہر دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"یہ تو ممکن نہیں ہوگا۔" انہوں نے پاسپورٹ کو ہاتھ لگائے بغیر جواب دیا۔

"ہم مراکو جارہے ہیں۔ یہ دیکھیے ٹکٹ۔ ہمارے پاس سوا نو گھنٹے اور ڈھیروں ڈالر ہیں۔ تھوڑے سے یہاں لگائیں گے۔" امیگریشن آفیسر نے ہمیں غور سے دیکھا اور بولا

"ہم نہیں چاہتے..... آپ شہر دیکھیں۔ شہر والے آپ کو دیکھیں۔"

"کیوں.....؟" ہم نے حیران ہوکر پوچھا

"آپ نے دنیا دیکھی ہے۔ ایمسٹرڈم دیکھیں گے اور اس عرصے میں کوئی چاند چہرہ ستارہ آنکھیں۔ آپ پر فدا ہوگئی تو ہم کیا کریں۔ آپ تو نکل لیں گے اس احتیاط کے تحت فیصلہ کیا گیا ہے۔ آپ کو ویزا نہ دیں۔"

"پھر ہم کیا کریں۔ ذہن میں ٹیولپ کے رنگین کھیت۔ پھولوں سے بھرے گلی کوچے دھندلانے لگے۔

"ہم نے ایک حسین اور طویل ایرپورٹ بنایا ہے۔ آپ کے طعام کے لیے جگہ جگہ ریسٹورنٹ اور بار کھولے ہیں۔ دکانیں ہیں جہاں دنیا کی بہترین شراب پانی کے مول ملتی ہے۔ جو ہمارے اختیار میں تھا وہ لب و رخسار سب جمع کردیے۔ آپ انہیں دیکھیں۔ خوش ہوں۔"

"اور وہ ٹیولپ کے کھیت" ہماری نظروں میں حد نظر تک فلموں میں دکھائے پھولوں کے منظر گھوم گئے۔

"ان کی بھی دکانیں ہیں۔ ایسے خوش رنگ پھول تو شہر میں بھی نہیں ملیں گے۔"

ہم نے بحث کرنا چاہی اس نے کہا "ایک اچھا دن گزاریں" اور چلا گیا۔

نیو یارک میں احباب کو روانگی کی اطلاع کے ساتھ مراکو سے زیادہ" ایمسٹرڈیم پر زور

اورنگ زیب قاسمی

دیا تھا۔ بہت سوں کا خیال تھا۔ ہم ہوائی اڈے سے باہر نکل کر کسی سیم تن کے ساتھ فوراً ٹیولپ کے کھیتوں میں گانے پہنچ جائیں گے۔ وہ ہمیں خوش نصیب سمجھ رہے تھے۔ یہاں ہوائی اڈے والے کی احتیاط کا بہت عالم تھا کہ ہمیں ایمسٹرڈم کی ہوا تک لگنے نہیں دے رہے تھے۔

ٹرانزٹ میں سوا نو گھنٹے کے قیام کا مطلب ہے ہوائی کمپنی کی طرف سے دوپہر کا کھانا۔ دوبئی کے ہوائی اڈے پر چند گھنٹے کے قیام میں کھانے کا کوپن مل جاتا تھا۔ یہ سوچا تو کے ایل ایم کاؤنٹر پر گئے۔ امیگریشن والوں نے جن حسین خواتین کا ذکر کیا تھا ان میں سے ایک یہاں نظر آئیں۔ انہیں بلا تکلف ''آنٹی جی'' کہا جا سکتا تھا۔ ہم نے ٹکٹ دکھا کر مدعا بیان کیا۔ انہوں نے کمپیوٹر پر اپنی بوڑھی انگلیوں کو زحمت دی اور چند لمحوں میں فیصلہ سنا دیا۔

''نیویارک سے آنے والے مسافروں کو ٹرانزٹ میں لنچ نہیں دیا جاتا۔''

سوا نو گھنٹے ہوائی اڈے پر رہنا تھا اور بہتر یہ تھا کہ کسی سے تعلقات خراب نہ کیے جائیں ہمیں احساس ہوا ایمسٹرڈم میں ہر شخص بہت نرمی سے بے رخی دکھا رہا ہے۔ اس کا پہلے سے علم ہوتا۔ ان بے وفاؤں کی طرف نہ آتے۔ سیدھے مراکو چلے جاتے۔ لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ اور ایر پورٹ کے ملاحظے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

جہاں ہم کھڑے تھے اس کے دائیں طرف شاپنگ پلازہ تھا۔ ایک طرف ایمرو بینک ہمارے پاس وقت ضرورت استعمال کے لیے بسکٹ اور چاکلیٹ تھے۔ اس لیے کسی چیز کی حاجت نہ تھی۔ لیکن ہالینڈ کا سکہ رائج الوقت اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے اس لیے بینک کی طرف بڑھے اور ایک لائن میں لگ گئے۔ جب ہمارا نمبر آیا دس ڈالر کا نوٹ خاتون کی خدمت میں پیش کیا۔ اس دن ایک امریکی ڈالر کے دو گلڈر اور 85 سینٹ مل رہے تھے۔ ہم نے درخواست کی ''از راہ کرم کوئی نیا نوٹ دے دیجیے یادگار کے طور پر رکھنا چاہتے ہیں۔''

وہ بی بی رحم دل تھی۔ یا بینک سے استعفیٰ دے چکی تھی یا آج آخری دن تھا۔ کہنے لگی۔ ''اس میں سے تین ڈالر تو ہم کمیشن کاٹ لیں گے۔ بہتر ہے آپ سامنے کی دکان سے شراب خرید لیں وہ لوگ کمیشن نہیں لیتے۔ آپ کو گلڈر کا نوٹ بھی مل جائے گا۔''

''شکریہ.....'' کہہ کر دس ڈالر کا نوٹ لے کر ہم کاؤنٹر سے ہٹ آئے لیکن یہ سوچ کر تعجب ہوا کہ ہم انہیں شکل سے شرابی لگے۔ یا ٹرانزٹ میں شراب خریدنی ضروری ہوتی ہو۔

ہوسکتا ہے ان کی خواہش ہو اس ہوائی اڈے پر ہم بہک جائیں۔

ہم تجسس دور کرنے اور خاتون کو خوش کرنے دکان میں داخل ہو گئے۔

دنیا کی ہر شراب اس تعداد میں تھی کہ نشہ ہو جائے۔ وہاں جس تعداد میں لوگ خرید رہے تھے اس سے اندازہ ہو رہا تھا شراب سستی ہوگی۔ خصوصیت میں اعلیٰ ہے یا بینک کی خاتون کی ہدایت پر عمل کر رہے ہوں گے۔ بوتلوں ڈبوں پر قیمت گلڈا اور یورو منی میں تحریر تھی۔ امریکی ڈالر میں اس درجہ سستی تھی کہ ایک بار سوچا ہم نے شراب ابھی تک پینا کیوں شروع نہیں کی۔ یہ خیال دل میں آیا تو دکان کی دوسری سمت چلے گئے۔ وہاں پرفیوم کی ریل پیل تھی لوگ شراب کی طرح خرید رہے تھے۔ اس کے بعد چاکلیٹ کا حصہ تھا۔ وہاں بھی گاہکوں کا وہی حال تھا۔ تب ہمیں احساس ہوا جن لوگوں کی عادت خریداری کی ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز پر لپکتے ہیں۔ اور کیونکہ ہم ان میں سے نہیں لہٰذا باہر نکل آئے۔

ریسٹورنٹ میں بھیڑ تھی۔ شاید سب بھوکے تھے۔ بائیں طرف ایک سیڑھی اوپر جا رہی تھی۔ ہم اوپر چلے گئے۔ وہاں لائن سے ٹیلی فون بوتھ تھے۔ پوسٹ آفس تھا۔ ایک بڑا ریسٹورنٹ۔ اس کے آگے آرام کرنے کے لیے کرسیاں۔ موٹے موٹے صوفے۔ دیکھنے میں نرم۔ بیٹھنے میں بس یوں ہی اس جگہ بہت سے لوگ آرام کر رہے تھے۔ ایمسٹرڈم والوں نے اپنا ہوائی اڈہ لندن کا پکاڈلی سرکس بنایا ہوا ہے۔ وہاں سیاح اپنی مرضی سے جاتا اور تھوڑی دیر ٹھہرتا ہے۔ اس ہوائی اڈے پر مجبوراً ٹھہرنا پڑتا ہے۔ جو اس طرف سے گزرتا ہے۔ دو چار گھنٹے روک لیا جاتا ہے۔

ایک طرف سے سیڑھی نیچے اترتی دیکھ کر نیچے اتر آئے۔

ایمسٹرڈم کا ہوائی اڈہ بہت بڑا ہے یا ہمیں محسوس ہوا۔ دو طرف لاؤنج پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے نام بھی ہیں اے بی سی ڈی ای ایف۔ ہر ایک کے پچاسوں ایراول ڈپارچر لاؤنج۔ ہماری پرواز کو رات سوا نو بجے ڈی 54 سے جانا تھا۔ ہم نے سوچا اس وقت دیکھ لیں وقت روانگی اگر وقت نہ ملا تو کیا ہوگا۔ اس لیے خود چلنے والے راستوں پر کھڑے ہو کر ڈی ایریا پہنچے تو دیکھا سارا نظام گڑبڑ ہے۔ جس نے لاؤنج کے نمبر ڈالے اسے گنتی نہیں آتی تھی یا وہ کوئی کھیل کر رہا تھا 51 کے بعد 54 اور پھر 57 آ گیا۔ 56 اور 55 دوسری طرف تھے۔ آدمی ہوائی اڈے دیر سے

اورنگ زیب قاسمی

آ ئے 54 کے پاس 55 نہ دیکھ کر ڈاکٹر کو نبض دکھانے کی حد تک پریشان ہو جائے۔ ہم نے جان بوجھ کر ایر پورٹ والوں کو اس غلطی پر توجہ نہیں دلائی۔ کیونکہ انہوں نے شہر سے دور رکھا تھا۔

ہوائی اڈے پر زیادہ تر بڑی عمر کی خواتین کو ملازم رکھا گیا ہے۔ دروغ بر گردن راوی شہر میں سیاحوں کے لیے کم سن خوش شکل لڑکیوں کا انتظام تھا یوں سمجھیں۔

وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے۔

بڑی عمر کی خواتین کو ہوائی اڈے پر اس لیے بھی رکھا گیا ہے کہ مسافروں کو قیام کے دوران گھر کا ماحول ملے۔ ڈھارس بندھی رہے۔ دعا دینے والی خواتین کی کمی محسوس نہ ہو۔ کہیں خالہ کہیں چچی نظر آئیں۔

اس دوپہر۔ سہ پہر۔ شام اور رات کے پہلے پہر ہم نے ایر پورٹ کا چپہ چپہ دیکھ لیا۔ قیمتوں کا مول تول کر لیا۔ وعدہ بھی کیا کہ مراکو سے جو ڈالر بچے۔ جان رہی دل رہا وہ واپسی میں بے دھڑک اسی ہوائی اڈے پر لٹائیں گے۔ مراکو سے واپسی میں بھی ایمسٹرڈم والوں کی مرضی سے دس گھنٹے قیام اور اپنی خواہش پر طعام تھا۔ چاکلیٹ کی دکان پر کوالٹی اسٹریٹ چاکلیٹ کا سودا کرتے وقت خاتون کے گھر کی اسٹریٹ اور فون نمبر بھی لے لیا تھا اس وعدے کے ساتھ کہ مراکو سے کم از کم دن میں ایک بار فون کر کے ان کے حسن و جمال کی خیر چاہیں گے۔

ہوائی اڈے پر ٹیولپ کے پھولوں والی دکان اچھی تھی۔ وہاں اصل سے زیادہ لکڑی کے پھول بہار دے رہے تھے۔ ان کا مول تول کر کے الگ رکھوا کر آئے۔ مراکو سے واپسی میں خریداری کے لیے جس دن ہمیں آنا تھا۔ پھول والی خاتون کا آف تھا لیکن ہمارے اصرار پر انہوں نے اس دن دکان پر آنے کا وعدہ کیا۔ ہم نے خاتون کا وزیٹنگ کارڈ لیا تا کہ ایک دن پہلے مراکو سے اپنے آنے کی اطلاع دیں۔

ایک جگہ کونے میں گائے کھڑی تھی۔ اصلی نہیں پتھر کی۔ اسے ہاتھ لگا کر دیکھا سمجھ میں نہیں آیا یہ کون چھوڑ گیا ہے۔ دائیں بائیں آتے جاتے خواتین وحضرات کی موجودگی کی ایک وجہ تھی۔ وہ غلطی سے ایمسٹرڈم کے راستے اپنی منزل پر جا رہے تھے۔ اور دھر لئے گئے۔ احباب کو سمجھائے دیتے ہیں۔ اگر کسی سفر کے دوران ایمسٹرڈم آئے تو بہتر ہے۔ سفر منسوخ کر دیں۔

ایک طرف کاؤنٹر بنا تھا۔ ان سے پوچھا۔ ''سامنے گائے کونے میں کیوں کھڑی ہے؟''

خاتون نے مسکرا کر پوچھا۔ ''پھر کہاں کھڑی ہو.....؟'' ہم کیا جواب دیتے اپنا سا منہ لے کر آگئے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ گائے ایر پورٹ اتھارٹی والوں کی رشتے دار ہے۔ جب ہی یہاں آرام سے بغیر کام کے کھڑی ہے۔

ابھی وقت باقی تھا اے بی سی لاؤنج کے راستے پر دو دو بار چہل قدمی کر آئے۔ اپنی معلومات میں اضافہ کرتے رہے۔ بعض دکان دار۔ سیلز گرل سے باقاعدہ ''ہائے ہیلو'' ہوگئی۔ بعض چوکھٹ پر قدم رکھتے ہی آواز لگاتیں۔ ''سر ابھی تک قیمتیں وہی ہیں۔'' یا ''کوئی نیا اسٹاک نہیں آیا۔'' بعض کا اصرار ہوتا ''سر آپ نے پچھلی بار وہ دائیں طرف والا شیلف نہیں دیکھا۔ خاص طور سے بال کاٹنے کی قینچیاں'' سوا نو گھنٹے سے چشم و لب اور ماہ رخوں سے آنکھیں چار کر رہے تھے انہیں جملہ کسنے کا پورا اختیار تھا۔ ایر پورٹ کی انتظامیہ ممنون ہو کہ اس عرصے میں ہم نے انہیں کوئی نقصان نہیں پہونچایا۔ اور وہ ہمارا کیا بگاڑتے۔ ہم خود ہی بگڑے ہوئے ہیں۔

ایمسٹرڈم ایر پورٹ پر جگہ جگہ لکھا تھا۔ سی۔ ہائی۔ فلائی ہم نے ان میں سے دو لفظوں پر عمل کیا یعنی سی۔ دیکھا۔ ہائی کی ہگ۔ ہائی۔ ہائی۔ اور فلائی یعنی پرواز کر گئے۔

رات کے سوا نو بجے ہم ہوائی جہاز میں مراکو کی طرف اڑے جا رہے تھے۔

نورا سے ملاقات

ہوائی سفر میں ہماری کوشش ہوتی ہے۔کونے کی سیٹ ملے۔ دشمن ہوائی اڑاتے ہیں ہم یہ سیٹ اس لیے پسند کرتے ہیں کہ آتی جاتی ایر ہوسٹس کو کہنیاں ماریں۔ حالانکہ دو دھائی سے زیادہ ہوئے ہوائی کمپنیوں والوں نے ٹکٹ کا نرخ بڑھایا اور ایر ہوسٹس کے حسن کا معیار گرایا ہے۔ دوران سفر انہیں دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ ہمارے ساتھ ایر ہوسٹس کی عمر بھی بڑھ رہی ہیں۔ مسکراتی بل کھاتی شیریں دہن غنچہ بدن اب اشتہاروں تک رہ گئی ہیں۔ ایسے میں کہنی تو کیا ہاتھ مارنے کو دل چاہتا ہے اپنے ماتھے پر۔ ہائے رے نصیب زمین سے اتنی بلندی پر بھی قابل احترام عمر والی خواتین کافی پلاتی کھانا لاتی اچھی نہیں لگتیں۔ ایک سفر کے دوران تو جی میں آیا انہیں زحمت نہ دیں جو درکار ہو خود ہی باورچی خانے سے لے آئیں۔ افسوس اس کام کا تجربہ نہیں۔

پھر مسافر پر سر جھکا کر آوازیں دینے لگیں گے۔

ایمسٹرڈیم کے ہوائی اڈے سے مایوس ہوکر اپنی پسندیدہ نشست پر بیٹھے تو برابر کی سیٹ خالی۔ اور کھڑکی والی سیٹ پر ایک خاتون رسالے میں منہ چھپائے بیٹھی پائیں۔ پاکستان سے پرواز کر رہے ہوتے تو گمان گزرتا شاید پرانی جان پہچان والی ہیں۔ اب اپنا چہرہ مبارک دکھانے سے شرما رہی ہیں۔ اس طرف سے توجہ ہٹا کر ہم نے آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کی۔ شاید آنکھ لگی ہو یا جھپکی آئی ہو۔ اسی وقت ایر ہوسٹس نے کرسی کے آگے لگی ٹیبل کھول کر ہمارے کان کے پاس منہ لاکر پوچھا۔

''آپ نے کوشر فوڈ کی ہدایت کی تھی۔''

دوران سفر ہم سلم فوڈ کی ہدایت کرتے ہیں۔ وہ کوشر ملتا ہے۔ یہ یہودی کھانا ہوتا ہے۔ اس پیکٹ کو مسافر اپنے ہاتھوں سے کھولتا اس کے بعد وہ پکایا جاتا ہے۔ اس میں جوس۔ سویٹ ڈش اور پانی بھی ہوتا ہے۔ امریکہ میں ان دنوں ہر جگہ حلال گوشت ملتا ہے۔ ورنہ پہلے تو یہودیوں کا ذبح کیا ہوا کوشر گوشت خریدنا پڑتا تھا۔

ایر ہوسٹس نے ایک پیکٹ دیا۔ ہم نے اسے کھولا۔ تھوڑی دیر بعد ایر ہوسٹس ٹرالی گھسیٹتی ہوئی آ گئی۔ اس نے ہماری میز پر کھانا رکھا اور پھر کھڑکی کے پاس بیٹھی لڑکی کی طرف بڑھایا۔ سیٹ دو رتھی ہم نے ازراہ اخلاق ہاتھ لگا دیا۔ لڑکی نے شکریہ ادا کیا۔

وہ سانولے رنگ کی تیکھے نقوش والی لڑکی تھی۔ پانی کا گلاس بھی ایر ہوسٹس سے لے کر دیا۔ وہ مسکرائی۔ ہم نے بھی مسکراہٹ میں جواب دیا۔ کھانا شروع ہوا۔ پھر کافی کا نمبر آیا۔ اس نے انکار کیا وہ پھر مسکرائی۔ اس بار کچھ کہنا چاہتی تھی۔ ہم نے ابتداء کی۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں۔''

حالانکہ جہاز کیسا بلانکا جا رہا ہے۔ لیکن گفتگو کی ابتدا کے لیے یہ سوال ضروری تھا۔

''میں کیسا بلانکا جا رہی ہوں۔''

''نور''

''نہیں میں وہاں کی رہنے والی ہوں۔''

''ہم پہلی بار جا رہے ہیں۔ آپ سے بہت سی معلومات کی جا سکتی ہیں۔''

''میرے والدین کیسا بلانکا کے ہیں۔ میں جرمنی میں پیدا ہوئی ہوں.....''

اورنگ زیب قاسمی

"اچھا..... پھر برابر والی سیٹ پر آ جائیں۔" وہ کھڑکی سے درمیانی سیٹ پر آ گئی۔

"کیسا بلا نکا میں رشتے دار ہوں گے....."

"نہیں۔ میں ایک سہیلی کے بلاوے پر جا رہی ہوں۔"

"پہلی بار....."

"جی....."

"عربی آتی ہے....."

"نہیں....."

"والدین کون سی زبان بولتے ہیں....."

"عربی..... لیکن میں نہیں جانتی۔ مراکو اس لیے جا رہی ہوں کہ ماں باپ کا ملک دیکھوں..... آپ مراکو....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"پہلی بار جا رہے ہیں۔ امریکہ میں رہتے ہیں۔"

"کس شہر میں.....؟"

"نیو یارک....."

"بڑا اچھا شہر ہوگا....."

"آپ گئی ہیں"

"نہیں۔ لیکن بہت شوق ہے۔ ایک بار دیکھ لو۔"

"تو ویزا لے کر آ جاؤ۔"

"اگر نیو یارک سے کوئی خط لکھ کر بلائے۔ ٹھہرنے اور کھانے کا بندوبست کرے تب امریکہ کا ویزا ملتا ہے۔"

"یہ کیا مسئلہ ہے۔ ہم بلا لیں گے....."

"واقعی ایسا ہو سکتا ہے۔ آپ بلا سکتے ہیں۔" اس کی آنکھیں جگمگانے لگیں۔

"کیوں نہیں۔ نیو یارک آؤ۔"

"اوہ شکریہ....." وہ مسکرانے لگی۔

"آپ کیا کرتے ہیں.....؟"

"صحافی ہیں ملک ملک کی سیر کرتے ہیں۔ سفرنامے لکھتے ہیں۔"

"آپ نے تو بہت ملک دیکھے ہوں گے.....؟"

"بے شمار....."

"پھر تو آپ کی بہت سی گرل فرینڈز ہوں گی۔"

"بے شک کبھی شمار نہیں کیا....." ہم نے ذرا سینہ پھلا کر کہا اتنے میں ڈیوٹی فری کی اشیاء لے کر ایئر ہوسٹس ٹرالی لے کر آئی۔ خاتون نے سگریٹ کے بارے میں پوچھا۔ ملبرو سگریٹ سستے تھے اس کا ایک کارٹن خریدا۔

"تم سگریٹ پیتی ہو....."

"کبھی کبھی جب ایک دو پیگ لگاتی ہوں..... روز نہیں....." وہ مسکرائی۔

"تم شراب پیتی ہو.....؟"

"میں عادی نہیں ہوں۔ جب بوائے فرینڈ سے ملتی ہوں تب۔"

"تمہارے بوائے فرینڈ ہیں.....؟"

"ہاں۔ دو تین..... مجھے زیادہ سے الجھن ہوتی ہے....."

"آپ شراب پیتے ہیں.....؟ یہ سوال ہمارے لیے عجیب تھا اگر نہ کہتے ہیں تو ساری شخصیت اور بین الاقوامی سیاح کا تصور ٹوٹتا ہے ہاں، کہنے میں کیا حرج ہے۔ یہ کون سا ابھی پلا دے گی۔

"ہاں پیتے ہیں۔"

"میرے پاس نمکین ہے۔ بیگ سے نکالوں۔" سب گڑبڑ ہونے لگی۔

"سفر کے دوران نہیں پیتے..... ہم نے حالات کو سنبھالا۔

"چلیں ایسا کرتے ہیں۔ چاکلیٹ کھاتے ہیں۔" وہ بولی۔

"یہ ٹھیک ہے۔"

اس نے بیگ سے چاکلیٹ نکالے.....

"یہ برانڈی کے ہیں۔ ہلکا سا سرور ہو جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے دو چاکلیٹ اپنے منہ میں رکھے دو ہماری طرف بڑھائے ہم نے لے کر

اورنگ زیب قاسمی

جیب میں رکھ لیے۔

"کھائیں نا....."

"ہوائی جہاز میں ہمیں زیادہ نشہ ہو جاتا ہے....."

"کوئی بات نہیں یہ زیادہ نشہ نہیں دیتے۔"

"ہمیں ذرا سا بھی نشہ ہو تو جو پاس ہو اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دیتے ہیں اس لیے احتیاط کرتے ہیں۔ اب اگر یہ چاکلیٹ کھا لیے اور تم سے....."

وہ گھبرا گئی کہنے لگی۔ "رہنے دیں..... بعد کو کھا لیجیے گا۔"

ہمیں سکون ہوا۔ جان بچی۔

"میں نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا..... میں نورا ہوں۔"

اس نے ہاتھ ملایا۔

"ہم عباسی۔"

"یہ میرا نمبر ہے۔ 0621-26637" اس نے ایک کارڈ دیا۔

"اور یہ ہمارا ٹیلی فون نمبر ہے۔ تم نیویارک جب چاہو فون کر سکتی ہو"

"شکریہ آپ سے مراکو میں ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"شاید نہیں۔ ہمارے میزبانوں نے جو پروگرام بنایا ہے۔ اس میں دو دن سے زیادہ ایک جگہ ٹھہرنا ممکن نہیں۔ ہم کاسابلانکا۔ رباط فیاس۔ مراکش اور نہ جانے کہاں کہاں..... جائیں گے۔ پھر بھی موقع ملا تو فون پر رابطہ رکھیں گے۔"

وہ اپنے بارے میں بتانے لگی۔ جرمنی میں پڑھتی ہے۔ ایک کمپنی میں کام بھی کرتی ہے۔ امریکہ آنا چاہتی ہے..... اور ہم اسے ضرور بلا لیں گے۔"

پھر اعلان ہونے لگا۔ تھوڑی دیر میں کاسابلانکا کے ہوائی پر اتر جائیں..... سفر کا پتہ ہی نہ چلا۔

نورا اپنے موبائیل سے کاسابلانکا میں اپنی سہیلی سے رابطہ کرنے لگی۔ پھر گھبرانے لگی۔

"کوئی فون نہیں اٹھاتا....."

"ابھی کام نہیں کر رہا ہوگا۔

لینڈنگ کے بعد کرنا....." ہم نے تسلی دی۔

جہاز لینڈ کر کے سرنگ سے جا لگا۔ نورا گھبرا گھبرا کر فون کرنے لگی۔

"وہاں سے کوئی جواب نہیں ملتا....." وہ سخت پریشان تھی۔

"شاید وہ لوگ ایر پورٹ کے راستے میں ہوں....."

"میں اس کے موبائیل پر فون کر رہی ہوں....."

"تمہیں ان کے گھر کا پتہ معلوم ہے....."

"نہیں"

"پھر....."

"آپ میری مدد کر سکتے ہیں.....؟"

"کیسے؟"

"آج رات اپنے ساتھ ٹھہرا لیں صبح کچھ کروں گی۔ اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بجے ہیں۔ اکیلی کہاں جاؤں گی۔"

"ہم....." ہمارا کمرہ بک تھا۔ کیسا بلانکا میں اسلامی حکومت ہے۔ اسے کس طرح ٹھہرا سکتے ہیں؟ لیکن تسلی کے لیے کہا

"وہ نہ آئیں تو ہمارے ساتھ ٹھہر جانا....."

"اوہ۔ شکریہ۔ میری پریشانی دور ہو گئی ہے۔ آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔"

"اس میں شکریے کی کیا بات ہے۔"

مسافروں کے ساتھ ہم امیگریشن کی لائن میں لگ گئے۔ جلد ہی نمبر آ گیا۔ شیشے کے کمرے میں آفیسر بیٹھا تھا۔ اس نے پاسپورٹ دیکھا عربی میں کچھ بولا جو ہماری سمجھ میں نہیں آیا پھر انگریزی میں پوچھا..... "پہلی بار آئے ہو.....؟"

یہ سن کر وہ شیشے کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ ہم سمجھ گئے۔ ہمیں جینے سے لگائے گا اسلامی رشتے سے ہم ان کے بھائی ہیں۔ مارے خوشی سے باہر نکل آیا ہے۔ ہم نے ادھر اُدھر دیکھا۔ نورا لائن میں لگی تھی۔ اس نے بھی توجہ نہیں دی۔ امیگریشن آفیسر باہر نکل کر ایک طرف چلا اور ہمیں اشارہ کیا۔

اورنگ زیب قاسمی

"تعال" مطلب تھا پیچھے آؤ ہم نے نورا کو اشارہ کیا۔ چند قدم بعد ایک کمرہ تھا وہ اس میں لے گیا۔ ایک آفیسر بیٹھا تھا۔ اس سے عربی میں کچھ کہا۔ پھر ہمیں لے کر باہر آیا۔ دیوار سے لگی بینچ تھی جس پر دو آدمی وردی پہنے بیٹھے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں پاسپورٹ دیا اور چلا گیا۔ اس نے پاسپورٹ دیکھا۔ ہماری طرف ایک نظر ڈالی ور برابر والے سے باتیں کرتا رہا اب ہمیں محسوس ہوا کچھ گڑ بڑ ہے۔ ویزا جعلی ہے۔ یا پاسپورٹ۔ ہوسکتا ہے ہم جعلی ہوں۔ ہمارے نام کا کوئی آدمی پہلے ہی آچکا ہے۔ اور تو کوئی بات نہیں تھی ہمیں نورا کی فکر تھی وہ بچاری سامان کی بیلٹ کے پاس انتظار کررہی ہوگی۔ کاسابلانکا میں اس کا کون ہے۔ آج رات وہ ہماری مہمان ہے۔

ہم آفیسر کے سامنے چپ کھڑے ہوکر اللہ کو یاد کرنے لگے۔ کاسابلانکا میں بچانا۔ ذرا دیر بعد آفیسر نے پاسپورٹ دیکھا۔ ہمارا بغور معائنہ کیا ایک طرف کو چلا اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ پھر شیشے کے کیبن میں بیٹھے آفیسر سے کچھ کہا۔ اس نے پاسپورٹ لیا اور مہر لگا دی۔ ہم مراکو میں داخل ہوگئے۔ ہم نے اطمینان کا سانس اور سامان کی بیلٹ کی طرف چلے۔ وہاں نورا مل گئی۔ بے حد مسرور اس نے اطلاع دی فون پر رابطہ ہوگیا ہے..... اس کی سہیلی لینے آگئی ہے۔ باہر کھڑی ہے۔ پھر نورا شکریہ ادا کرنے لگی۔ اس نوازش کا جو ہم نے کی نہیں تھی۔ ویسے بات سمجھ میں آئی۔ سارا چکر یہ تھا کہ کسٹم آفیسر نورا کو ہم سے الگ کرنا چاہتا تھا اور یہ کامیاب ہوگیا۔

نورا نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ فون کرنے کی درخواست کی اور منہ پھیر کر چل گئی۔

سامان آرہا تھا۔ ہمارا بیگ دوسرا چکر لگا کر سامنے آیا تو ہم نے اٹھالیا باہر نکلے تو ایک صاحب بورڈ پر ہمارا نام لکھے کھڑے تھے۔ خوشی ہوئی مراکو میں ہمارا نام پہلے پہنچ گیا۔ ہم سامنے جا کھڑے ہوئے ہاتھ ملایا اس نے سامان گھسیٹا۔ ہم ساتھ چلتے رہے۔

"آپ کو اتنی رات میں آنے پر زحمت ہوئی۔"

"وہ مسکرانے لگا۔"

ہم ڈالر کے درہم بدلوانا چاہتے ہیں....."

وہ کچھ نہیں سمجھا۔

تب ہمیں احساس ہوا یہ صاحب انگریزی سے واقف نہیں۔

ہم نے اپنی عربی ڈھونڈ کر نکالی اور پوچھا۔

"ماذا اسم کا"

"عبداللہ....."

"مرحبا....."

"اہلاً وسہلاً"

ہماری عربی نے جواب دے دیا۔ ویسے بھی یہ زبان عبادت والی ہے سنبھال کر رکھتے ہیں۔

سامنے بینک نظر آیا۔ ہم رک گئے اشارے سے کہا ڈالر کیش کرالیں انہیں کیا اعتراض ہوتا۔

اس رات ایک ڈالر کے سوا گیارہ درہم مل رہے تھے۔ خاصے تھے۔

اب فون کی تلاش ہوئی اہل امریکہ کو اپنی خیریت بتادیں۔ ہم نے ہاتھ سے فون بنا کر کان پر لگایا۔ پھر کارڈ کی شکل بنائی۔ مطلب تھا۔ فون کارڈ دلوایئے..... اور فون بھی.....

عبداللہ ایک کاؤنٹر پر لے گئے۔ وہ بھی انگریزی سے واقف نہیں تھے۔ ہم یوں ہی ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ سامنے دو فون نظر آئے۔ نزدیک پہونچے تو ایک آدمی کھڑا تھا۔ ہم نے فون کی طرف اشارہ کیا اس نے فون کارڈ دکھایا۔ ہم نے قیمت دریافت کی اور بتایا امریکہ کرنا چاہتے ہیں۔ پھر اس نے کہا 100 درہم میں 20 یونٹ تھے ہم نے اقرار میں سر ہلایا کارڈ لگا کر ہمارا نمبر ملایا۔ ادھر گھنٹی بجی تو رقم طلب کی۔ قیاس میں 20 یونٹ کا کارڈ 30 درہم کا ملا۔ ہم نے برا نہیں مانا۔ عرب بھائی کی مدد ہوئی۔

ہم 70 درہم کا کیا کرتے۔ اس کے کام آئے ہوں گے۔ پھر رات ساڑھے بارہ بجے مراد برآنے پر درہم تو زیادہ لگتے تھے۔

عبداللہ کی گاڑی نزدیک کھڑی تھی۔ اس میں بیگ رکھا اور گاڑی بھاگنے لگی۔ ایر پورٹ کے علاقے سے نکلے تو ہر طرف اندھیرا تھا۔ نہ جانے ظالم کس جنگل میں لے آیا۔ اس سے گفتگو بیکار تھی۔ اچھا ہوا ورنہ اس رات نہ جانے کیا راز کی بات پوچھ لیتے۔

گاڑی انتہائی تیز رفتاری سے جارہی تھی۔ دو ٹول پلازہ آئے۔ عبداللہ وہاں سے بھی

اورنگ زیب قاسمی

تیزی سے نکل گیا۔ ویسے اس پلازہ پر کوئی تھا بھی نہیں ایسا محسوس ہوتا تھا عبداللہ کو کسی نے بتایا تھا کہ ہم کوئی بے حد اہم شخصیت ہیں اور گاڑی کی رفتار کم کی تو کچھ ہو جائے گا۔ سڑک ویران تھی۔ ایک جگہ اندھیرے میں دو سپاہی نظر آئے۔ گاڑی کی تیز رفتاری کی وجہ سے دیکھ نہ سکے شاید انہوں نے سلام کیا ہو.....

آخر گاڑی شہر میں داخل ہوئی تو معلوم ہوا۔ پورے شہر کی روشنی غائب ہے۔ ہر چوراہا۔ اور اپارٹمنٹ اندھیرے ویران..... کہیں نہ کہیں تو روشنی نظر آتی۔ آخر ایک دکان کھلی ملی۔ ہم نے عبداللہ سے اشاروں میں کہا۔ ''ایک بوتل منرل واٹر خریدو.....'' یہ بات وہ سمجھ گیا۔ گاڑی اندھیرے میں پارک کی اور روشن دکان سے ٹھنڈے پانی کی بوتل لے آیا۔ پانچ درہم خرچ ہوئے۔

اندھیرے کو چیرتی گاڑی بھاگتی رہی۔ ایک جگہ روکی تو شاید ہوٹل تھا۔ اور وہ واقعی ہوٹل ہی تھا۔ دروازہ کھولا تو اندر روشنی میں ایک استقبالیہ تھا کاؤنٹر پر ایک صاحب بھی تھے۔ ہمارے آنے کی اطلاع تھی۔ عبداللہ نے سلام کیا۔ ہاتھ ملایا اور چلا گیا۔ اس کا کام اتنا ہی تھا۔

ہوٹل والے صاحب نے لسٹ میں نام دیکھا۔ بیرے کو بلایا اور کہا۔۔۔

پانچویں منزل پر روم نمبر 524۔

پانچویں منزل پر کمرے میں پہونچے تو پہلے ہی ایک بیڈ پر انڈر ویر پہنے گورا لیٹا تھا۔ اور جاگ رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر ''ہلو کہا اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔ ہم بھی سامان رکھ کر۔ لباس تبدیل کر کے دوسرے بیڈ پر سو گئے۔

ایک لمبی پرواز کے بعد۔ کیسا بانکا کی پہلی رات گزارنے۔

رباط کی سیر

8 بجے صبح رباط روانگی تھی۔

اپنے کمرے کے ساتھی بالکن کے ساتھ ڈائننگ روم میں گئے تو رنگ برنگے لباس اور زبانیں بولتے لوگ ناشتہ کر رہے تھے۔ موسمبی کا رس تھا۔ ہرے رنگ کے زیتون۔ ڈبل روٹی مکھن چائے کافی۔ ہم نے سلائس اور کافی پر زور دیا۔ موسمبی کا رس بھی کئی گلاس پی کر استقبالیہ پر پہونچے تو ایک صاحب سامان پر نمبر لکھ رہے تھے۔ ہم نے اپنا بیگ دیکھا تو اس نے کہا۔

''آپ غالباً عباسی ہیں.....''

''جی اور آپ.....''

''نور گائیڈ جولین.....'' ہم نے ہاتھ ملایا۔

''آپ رات دیر سے آئے۔ اس لیے ملاقات نہ ہو سکی۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔''

اورنگ زیب قاسمی

جولین نے پوچھا۔

''آپ کا انتظام اچھا ہے۔ کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔'' ہم نے کہا باہر ایک لمبی بس کھڑی تھی۔ مسافر ایک ایک کر کے اندر داخل ہونے لگے۔ ہم نے پہلی سیٹ سنبھالی۔ المونیہ ہوٹل کو الوداع کہا۔ یہ سیاحوں کے لیے مخصوص ہے۔ مقامی کیوں ٹھہریں گے۔

کوچ میں آنے والا آخری آدمی جولین تھا۔ اس نے مائیکروفون سنبھالا پہلے اپنا تعارف کرایا۔ وہ اسپین کا رہنے والا عیسائی اور اس کی بیوی مراکو کی مسلمان ہے۔ ہمیں اسپین اور مراکو کے اتنے اچھے تعلقات کی امید نہ تھی۔ کیسا بلانکا میں یہ پہلا جھٹکا تھا۔ ڈرائیور محمد اور اس کا اسسٹنٹ رشید تھا۔

کوچ روانہ ہوئی تو کیسا بلانکا ہر طرف پھیل گیا۔ یہ مراکو کا معاشی شہر ہے۔ بڑی سڑکیں۔ پھیلے ہوئے چوراہے۔ ہوا سے جھومتے پام کے درخت۔ صاف ستھری سفید رنگ کی اونچی عمارتیں۔ اس شہر میں مرد عورتیں اور شہروں کے مقابلے میں زیادہ نزدیک آسکتے ہیں۔ افسوس ہمارے نزدیک کوئی نہیں آیا۔ کیسا بلانکا والوں کی بدنصیبی۔

18ویں صدی میں زبردست زلزلہ آیا۔ شہر کا بڑا حصہ تباہ ہوگیا۔ دوبارہ تعمیر ہوا۔ پرانی عمارتوں کی جگہ نئی بنائی گئیں۔ اس لیے سب کچھ نئے انداز کا ہوگیا۔ بعض چوراہے روم کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ تعمیر میں اسپین اور مراکش انداز نمایاں ہے۔ فرانس کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ جولین نے دور سے ایک مسجد دکھائی جس میں 25 ہزار افراد نماز پڑھ سکتے ہیں۔ یہ بھی بتایا۔ دنیا کی دوسری بڑی مسجد ہے۔ ہمارے خیال سے ایسا نہیں ہے۔ پردیس اور اکیلے ہونے کی وجہ سے مباحثے سے گریز کیا۔ ہم سننے اور دیکھنے آئے۔ بولنے اور بتانے نہیں گئے تھے۔ یہ مسجد 8 سال پہلے تعمیر ہوئی تھی اور ابھی تک نئی دکھائی دیتی تھی۔ جولین نے وعدہ کیا جب مراکو کی سیر کے بعد دوبارہ اس شہر میں آئیں گے۔ یہ سب دکھایا جائے گا۔ ہم نے یقین کرلیا۔ اور کیا کرتے۔

ایک بڑا اسکوائر یونائیٹڈ نیشن کے نام پر بنایا گیا ہے۔ جس کا یو این او سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شاید اقوام متحدہ کو خوش کرنے کے لیے اس کا نام استعمال کیا گیا ہے۔ ہم کیا بتاتے بھولے لوگوں اقوام متحدہ دراصل ریاست ہائے متحدہ ہے جسے کوئی غریب ملک خوش نہیں کرسکتا اور امیر ملک ٹکرانے کی جرأت نہیں کرتا۔

ایک مارکیٹ کے پاس سے گزرے جہاں روزمرہ کی اشیاء فروخت کی جاتی ہیں اسے سکھ کہتے ہیں۔ یہ نام پسند آیا۔ جہاں کھانے پینے اور اوڑھنے بچھونے کی اشیاء ملتی ہوں اس سے سکھ ہی ملتا ہے۔ غریب غربا ملکوں کو اپنے بازاروں کا نام سکھ رکھنا چاہیے کم از کم لفظ کی حد تک لوگ سکھی رہیں کیسا بلانکا بندرگاہ ہے۔ ملکوں سے بھیجا جانے والا 60 فیصد سامان یہاں سے جاتا ہے۔ مراکو کے وفاقی بینک کو بینک المغربی کہتے ہیں۔ ویسے مراکو کا عربی نام مملکت المغربیہ ہے۔ جس کا مطلب ہے مغربی ملک۔ اگر مغرب کی طرح ترقی نہ کرسکیں تو نام تو رکھ لیں۔

مراکو کا رقبہ برطانیہ سے آٹھ گنا بڑا ہے۔ نہ جانے برطانیہ سے کیوں مقابلہ کرتے ہیں۔ سنگاپور سے کریں تو 64 گنا ہوگا۔ شمالی اور جنوبی یمن سے کریں تو 100 گنا بڑا ہوجائے گا۔ ہم نے یہ مشورہ اس لیے نہیں دیا کہ ابھی مراکو میں طعام و قیام کی مدت طویل تھی۔ اس ملک میں 75 فیصد بربر اور 24 فیصد عربی ہیں۔ باقی ایک فیصد ادھر اُدھر کے۔

بربر قبیلے والے وہی ہیں جن کے ایک جانباز سپاہی طارق بن زیاد نے اسپین پر حملہ کیا اور فتح کرلیا۔ آج بھی جبل الطارق جبرالٹر کے نام سے قائم ہے۔ بربر کے معنی اجنبی ہیں۔ یہ نام رومن نے رکھا تھا۔ جس طرح مارطینہ کے لوگ مور کہلائے۔

کیسا بلانکا سے رباط 70 کلومیٹر ہے۔ یہاں بادشاہ سلامت رہتے ہیں اس بات سے خوش ہوئی کہ عورت مراکو میں بادشاہت نہیں کرسکتی۔ جھگڑا ہی ختم ہوگیا۔ ایسا کوئی قانون برصغیر میں بنا دیا جائے تو سربراہوں کی بیٹی اور بیوی سے قوم کو نجات مل جائے گی۔ اگر ہم اپنے ملک کے بادشاہ بنے تو سمجھ لیں یہ قانون بن گیا۔ پاکستان، ہندوستان، سری لنکا، بنگلہ دیش، فلپائن کے عوام ہماری خدمات حاصل کریں۔ انشاء اللہ نتائج ان کے حسب منشاء ہوں گے۔ آزمائش شرط ہے۔

مراکو میں بادشاہ کے بیٹا نہ ہو تو بھائی یا اس کی اولاد کو تخت مل جاتا ہے بادشاہ سلامت اپنے ملک کے کمانڈر انچیف اور مذہبی سربراہ بھی ہیں۔ ہمیں بتایا گیا کہ بادشاہ سلامت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے ہیں۔ یہ امام مالکی کے پیروکار ہیں۔ اور سنی عقیدہ ہیں۔ بادشاہ سلامت وزیراعظم خود منتخب کرتے ہیں۔ ریاستوں کے گورنر مقرر کرتے ہیں۔ جب ہم پہونچے اس وقت 39 گورنر تھے۔ پارلیمنٹ کا انتخاب ہوتا ہے۔ لیکن بادشاہ سلامت جب

اورنگ زیب قاسمی

چاہیں پارلیمنٹ توڑ سکتے ہیں وزیر اعظم اور گورنر کو برخاست کر سکتے ہیں۔ کیا اچھا نظام ہے ہمارے مرحوم صدر ضیاء الحق نے آئین میں آٹھویں ترمیم کا تصور مراکو سے لیا ہوگا۔ ہمیں یہ نظام پسند آیا۔ انتہائی مناسب۔ ملک میں بار بار فوجی انتظامیہ کے آنے کا خدشہ دور ہو جائے گا۔

ایک لطف کی بات یہ ہے کہ بادشاہ سلامت اپنی بیوی کو سرکاری طور سے ملکہ کا خطاب نہیں دیتے اس لیے جب غیر ملکی دورے پر جاتے ہیں تو وزیر اعظم یا بیٹے ساتھ جاتے ہیں۔ ہمارے گائیڈ جولین نے کہا "اس طرح بادشاہ سلامت کی بیویوں کی تعداد معلوم نہیں ہوتی۔" ہمارا خیال ہے سربراہان کو اس طرح سرکاری خرچ پر بیوی کے ساتھ ہنی مون منانے کا موقع نہیں دیا جاتا۔

مراکو ایک خشک ملک ہے اس لیے راستہ ویران تھا۔ پہلا قصبہ محمدیہ آرا۔ جہاں تیل صاف کیا جاتا ہے۔ مراکو میں تیل نہیں نکلتا دوسرے ملکوں سے منگایا جاتا ہے۔ امریکی تیل نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس میں کامیابی ہوئی ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو مراکو کے دن بدل جائیں گے نصیب جاگ اٹھیں گے اور یہ واقعی مغربی ملک بن جائے گا۔ جب ہم گئے تو یہ زراعت پیشہ ملک تھا۔ رسیلے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ زیتون بھی اگاتے ہیں۔ مراکو والے دعویٰ کرتے ہیں وہ زیتون اگانے والے چار ملکوں میں شامل ہیں۔ ترکی والے کہتے ہیں ہم چوتھے ہیں۔ جب ہم ترکی میں تھے ان کی سنتے تھے اب مراکو والوں کی بات پر دھیان دیتے ہیں۔ ہم سیاح اجنبی۔ کیا رائے دیں۔ دونوں اچھے دونوں چوتھے۔

مراکو میں گندم کم پیدا ہوتی ہے۔ یہ امریکہ سے منگاتے ہیں ہمیں علم ہوتا بوری دو بوری آٹا نیو یارک سے لیتے جاتے۔ یا کم از کم اتنا گندم لے جاتے جو قیام کے دوران استعمال کر لیتے۔ لیکن یہ مراکو جا کر معلوم ہوا پہلے کسی نے اطلاع نہیں دی۔ مچھلیاں بہت ہوتی ہیں دوران قیام ان کا طعام کم ہوا۔ ہوسکتا ہے جو مچھلیاں پکڑتے ہوں ساری کی ساری امریکہ بھجوا دیتے ہوں۔ اس کے عوض گندم حاصل کرتے ہوں۔ کچھ گڑ بڑ ضرور تھی اس لیے مچھلی برائے نام کھانے کو ملی۔ سنا ہے اکثر لوگ دستکاری میں مصروف رہتے ہیں۔ ہم نے تو کوئی خاص چیز نہیں دیکھی نہ جانے دستکاری سے ان کا کیا مطلب تھا۔ اس سب کے باوجود 25 فیصد لوگ بے روزگار ہیں۔ یہ افسوس ناک بات ہے بادشاہوں کے زمانے میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے جولین

عیسائی ہونے کی وجہ سے جھوٹ بول رہا ہو۔ بہر حال ۔ دروغ بر گردن راوی۔

رباط مراکو کا دار الخلافہ ہے اس لیے بادشاہ سلامت یہاں رہتے ہیں یا شاہ وقت کا قیام اس شہر میں ہے لہٰذا یہ صدر مقام ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں کا موسم خوشگوار رہتا ہے۔ ہم نے ایسا نہیں پایا۔ اس لیے کہ بادشاہ تھے نہ رعایا۔

رباط تیسری صدی قبل مسیح میں آباد ہوا اس کا قدیم نام صلا کو لوتھا چھوٹا سا قصبہ۔ رومن شہنشاہت کے زوال کے ساتھ ہی یہ اور سکڑ گیا۔ 8 ویں صدی عیسوی میں اس کی آبادی آہستہ آہستہ مسلمان ہوگئی۔ 10 ویں صدی میں ایک یادگار بنائی۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک جنگ ہوئی مسلمان جیت گئے۔ اور اس شہر کا نام وکٹری یعنی رباط رکھا۔ اور جب ہم پہونچے تو یہ ابھی تک رباط یعنی فتح کا نشان بنا ہوا تھا۔ اس کی فوجی اہمیت کی وجہ سے بادشاہ ابو یوسف یعقوب المنصور نے صدر مقام بنایا۔ شہر کے چاروں طرف دیوار بنائی اور اندر داخل ہونے کے لیے چار دروازے تعمیر کرائے۔ ایک دروازے کا نام باب ال ہیڈ ہے۔ یہاں ان لوگوں کے سر قلم کیے جاتے تھے جو مسلم قوانین کے تحت قتل کی سزا پاتے تھے۔ ان مجرموں کے سر اس دروازے پر لٹکا دیئے جاتے تھے۔ جولین کے اس بیان کو سن کر سیاح سہم گئے پہلے اپنے سر اور پھر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

ابو یوسف یعقوب المنصور نے ایک عظیم الشان مسجد الحسن بنوانی شروع کی ابھی مینار تعمیر ہوا تھا کہ اسے قضا نے آدبوچا اور یہ مسجد نامکمل رہ گئی۔ مراکو میں مسجدوں کے مینار چوکور ہوتے ہیں۔ یہ مینار اب سیاحوں کے دکھانے کے کام آتا ہے۔ یہ حسن ٹاور کہلاتا ہے۔ رباط کی یہی پہچان ہے اسپین میں مسلمانوں کا زوال ہوا تو وہاں سے نکالے جانے والے لاکھوں مہاجرین رباط میں آبسے اور شہر کے چاروں طرف اندلس کے انداز کی دیوار تعمیر کی گئی۔

1920 سے رباط کو صدر مقام ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ باغوں کا شہر کہلاتا ہے۔ ہم نے ایسا نہیں پایا۔ شاید کبھی رہا ہو..... کچھ درخت اور گھاس ضرور نظر آئی۔

شہر میں داخل ہوئے تو گھر آباد اور سڑکیں چلتی نظر آئیں۔ لوگ روزمرہ کے کاموں میں مصروف تھے۔ کسی نے رک کر نہیں دیکھا۔ ہم کتنی دور سے وہاں پہونچے تھے۔

کوچ ایک جگہ رکی تو لمبا سا لبادہ پہنے ایک صاحب داخل ہوئے۔ یہ صالح حسن تھے۔

اورنگ زیب قاسمی

رباط کے نئے گائیڈ انہی کی نظروں سے اس شہر کو دیکھتا تھا۔ ذرا دیر تو ادھر ادھر سڑکوں کو دیکھتے رہے پھر کوچ ایک قلعہ کے سامنے رک گئی دروازے پر کئی لوگ رنگین کپڑے پہنے زور زور سے ڈھول بجا رہے تھے۔ انہوں نے کپڑے سے بنے پھولوں کے ہار بھی پہنے ہوئے تھے۔ تیز دھوپ میں یہ منظر اچھا لگا۔ ہم نزدیک پہونچے تو ڈھول پر تھاپ بڑھ گئی۔ یہ سب بخشش کے انتظار میں تھے۔ سیاح ایک ایک ہینٹ بچاتا ہے۔ وہ بھلا کیا دیتا۔ بس ان ڈھول تاشوں کی آواز سنتا آگے بڑھتا رہا۔ قلعے کے دروازے میں داخل ہوئے تو دائیں طرف تین چار عارضی دکانیں تھیں جن میں عربی اور فرنچ میں کتابیں بک لسٹ اور فوٹو تھے۔

صالح حسن نیچے اترنے لگے یہ کچی سیڑھیاں تھیں دونوں طرف درخت۔ جھاڑیاں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آیا یہاں کیا ہے۔ اس تجسس میں نیچے اترتے رہے۔ ایک جگہ گائیڈ نے رک کر ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کی طرف اشارہ کیا اور نہ جانے کس بادشاہ کا ذکر کیا کوئی نہیں سمجھا۔ پھر نیچے اور آخر میں ایک گندے کالے پانی کے تالاب کے پاس رک گیا۔ اس حوض میں چھ دروازے بنے تھے۔ جن سے آہستہ آہستہ پانی نکل رہا تھا۔ روایت ہے اس جگہ دعا کرنے سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ہم نے پانی دیکھا اور سوچا اس جگہ دعا کرنے سے جو اولاد پیدا ہوگی۔ وہ مراکو میں نہ جانے کیا نام پاتی ہوگی۔ یورپ میں ہپی کہلاتے ہیں۔ سیاح دل میں کیا سوچ رہے تھے یہ تو نہیں معلوم لیکن بعض کے چہرے پر عجیب تاثر نمودار ہو رہا تھا۔

دائیں طرف ایک سات گز کی قبر تھی اس کی بھی روایت تھی۔ وہاں ایک فقیر نما شخص بیٹھا تھا۔ قبر پر دو تین نوٹ دعوت دے رہے تھے کہ ایک آدھ ادھر بھی۔

صالح حسن ہمیں لے کر بائیں طرف چل پڑا ٹوٹا راستہ بڑے بڑے پتھر۔ گرتی دیواریں۔ جھکے ہوئے ستون۔ زمین پر جگہ جگہ گڑھے۔ یہ سب ماضی کی داستان سنا رہے تھے۔ یہ عمارتیں بے حد پرانی تھیں اور سب سے زیادہ خوفناک بات یہ تھی کہ ان عمارتوں کی دیواروں پر خطرناک بڑے بڑے موٹی چونچ والے گدھ بیٹھے تھے۔ ہم نے قبروں اور گرتی عمارتوں کے درمیان پہلی بار یہ منظر دیکھا تھا۔ انہوں نے انسانوں کو دیکھا تو زور زور سے بولنے لگے۔ اگر ہم ان کی زبان سمجھتے تو یقیناً وہ عربی میں کہہ رہے ہوں گے۔ ''آدم بو آدم بو'' اس آواز نے سب کو خوفزدہ کر دیا خاص طور سے بوڑھے سیاحوں کو۔

ایک مسجد کے آثار دکھائے۔ ٹوٹے ہوئے فرش پر فوارے کے نشان یہ وضو کی جگہ تھی۔ پھر دیواریں۔ یہ 17ویں صدی کی تعمیر تھی۔ ہر اینٹ اور ستون کی تاریخ تھی۔ ایک جغرافیہ تھا۔ جو اس جگہ کھڑے ہو کر سننے اور باہر نکل کر بھول جانے کی چیز ہے۔

ذرا اوپر چڑھ کر ایک گرجا..... اور رومن شہنشاہوں کے آثار۔ سیاح حیران ہوتے رہے۔ گائیڈ بڑھ چڑھ کر بیان کرتا رہا۔ ادھر ادھر عمارتوں۔ ٹوٹے ستونوں پر دم سادھے گدھ یہ تماشہ دیکھ رہے تھے کسی سیاح کے اکیلے رہ جانے کا انتظار کر رہے تھے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس راستے سے سیاحوں کو قابل دید مقام دکھاتے ہیں۔ واپسی میں دوسرا راستہ ہوتا ہے۔ سب یہی سمجھ رہے تھے لیکن واپسی اسی طویل اور اوپر چڑھنے والے راستے سے تھی جتنا نیچے اترے تھے۔ اتنا ہی اوپر جانا تھا۔ یہ کسی کے وہم وگمان میں نہ تھا صالح حسن تو دوڑ کر چڑھائی پر چلا گیا۔

ایک بار ہم بلوچستان کے شہر زیارت گئے۔ صبح کے وقت ایک نوجوان سنڈیمن جنگی دکھانے آیا۔ یہ ایک آبشار تھا۔ ہماری جو شامت آئی تو ہم نے ہامی بھر لی اور اپنے دوستوں کے ساتھ چل پڑے۔

''کتنی دور ہے..... ہم نے پوچھا۔

''وہ سامنے'' موصوف نے پہاڑ کی طرف اشارہ کیا۔ ابھی ہم سوچ ہی رہے تھے کہ وہ اڑتا ہوا پہاڑ پر چڑھا اور دوسری طرف اتر گیا۔ یہ 30 سال پہلے کی بات ہے۔ ہم کسی نہ کسی طرح پہاڑ پر چڑھے تو وہ غائب اب سانس درست کی اور دیکھا وہ سامنے میدان میں کھڑا ہے۔ ہم ادھر گئے تو سامنے کے پہاڑ پر دوڑ لیا۔ دوسرا پہاڑ چڑھ کر اترے تو اسے پھر میدان میں کھڑے پایا۔ ہم نے اسے آواز دی۔ پروگرام یہ تھا کہ جب وہ نزدیک آئے ہم اس کے کندھوں اور پیٹھ پر سواری کریں اور کہیں اب پہاڑ پر چڑھو۔ نوجوان پاس آیا تو ہمارے کسی اقدام سے پہلے اس نے پہاڑ کی طرف اشارہ کیا یہ ہے ''سنڈیمن جنگی۔''

اندر گئے تو نہایت نامعقول پانی کا نالہ اوپر سے گر رہا تھا۔ ہم اپنے احباب کے ساتھ زمین پر لیٹ گئے۔ گرتے ہوئے پانی کو منہ لگا کر پیا اور احساس ہوا کہ جانور لیٹ کر پانی اس وجہ سے پیتے ہیں کہ دوڑ بھاگ سے بیچارے تھک جاتے ہوں گے۔

اورنگ زیب قاسمی

اب واپسی کا سوال تھا۔ ہم نے فیصلہ کیا۔ اسی جگہ رہ جاتے ہیں پانی تو ہے..... اللہ کھانا بھی دے گا۔ اسی وقت پنجاب یونیورسٹی کی لڑکیوں کی ایک بس آئی۔ جب وہ پانی سے کھیل کر جانے لگیں تو ہم نے درخواست کی۔

''اے ماؤں بہنوں بیٹیوں دنیا کی عزت تم سے ہے۔ ہمیں نکال لے جاؤ اس جگہ سے جو صرف ہمیں تنگ کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔

انہیں ترس آ گیا اور ایک سیٹ مل گئی۔ اس دن سے ہم نے نیاگرا فال اور برازیل کی ایشل پارک فال کے علاوہ کوئی آبشار نہیں دیکھی لیکن یہاں خود اوپر جانا تھا اور صالح حسن نے چڑیا کا انڈا کھایا تھا وہ اڑ کر چلا گیا۔ ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ جو پیچھے رہ جائے گا وہ آج کی دوپہر گدھوں کا لنچ بنے گا۔ جب ہم ہانپتے۔ پسینہ پونچھتے صالح حسن کی شان میں وہ قصیدے پڑھتے جو۔ وہ سن پاتا تو مر جاتا۔ واپس کوچ میں آئے تو دوبارہ جی اٹھے۔ اور ڈر کے مارے پلٹ کر نہیں دیکھا کہ نہ جانے کون بوڑھا سیاح وہاں رہ گیا ہوگا اور گدھ لنچ اڑا رہے ہوں گے ابھی پسینہ خشک نہیں ہوا تھا کہ کوچ ایک عظیم الشان عمارت کے سامنے رک گئی۔ یہاں بادشاہ محمد پنجم کا مقبرہ اور حسن ثانور تھا۔ مراکو پر فرانس کا قبضہ تھا۔ سلطان پنجم نے امریکہ کی مدد کے بغیر جنگ لڑے۔ خون کا ایک قطرہ بہائے 1956 میں آزادی حاصل کی۔ ہم اس وقت ان کے مقبرے کے سامنے کھڑے تھے یہ ہسپانیہ اور مراکو طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ایک بڑے کمرے کے بیچوں بیچ وہ آرام کر رہے ہیں۔ یہ مراکو کے قائد اعظم ہیں۔ اور 1971 سے یہاں سو رہے ہیں۔ ان کے صاحبزادے سلطان دوئم نے اس مقبرے کو تعمیر کرایا ہے۔ یہ سادہ لیکن متاثر کرنے والا ہے۔ ایک شان وقار ہے جو شاہوں کے لیے مخصوص ہے۔ عمارت کے درمیان لکڑی اور پتھر کی جالیاں ہیں۔ یہاں داخلہ مفت ہے۔ لیکن مناسب لباس کی شرط ہے۔ غیر ملکی سیاح اسلامی ملک میں لباس کا خصوصیت سے خیال کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے سوئمنگ پول یا ہوٹل کی لابی میں بے آپے ہو جاتے ہیں۔ لیکن سفر کے دوران محتاط رہتے ہیں۔

مقبرے کے برابر حسن ثانور ہے۔ اسے سلطان یعقوب المنصور نے گیارہویں صدی کے آخر میں بنوانا شروع کیا تھا۔ اس کی لمبائی 60 میٹر تھی۔ سلطان کی زندگی میں 44 میٹر بنی۔ اس کی موت کے بعد کام رک گیا۔ ایک زمانے بعد زلزلے نے اسے نقصان پہونچایا مسجد مسمار

ہوگئی۔ اب صرف ادھورے ستون نظر آتے ہیں۔ مینار باقی رہ گیا۔ یہی رباط کی پہچان بن گیا ہے۔ سیاحوں کی فوٹو بنانے کے کام آتا ہے۔

سیاح کوچ میں سوار ہوئے۔ ایونیو حسن دوئم اور ایونیو حسن پنجم کے سنگم پر اندلسی مسلمانوں کی بنائی ہوئی۔ دیوار کا حصہ دیکھا۔ اس کے آگے سکھ یعنی بازار تھا کیفے۔ ریسٹورنٹ۔ کپڑے بیچنے والے۔ کھانے پینے۔ بانک کی دکانیں۔ ایک ڈھکی ہوئی مارکیٹ جس میں سونے چاندی کے زیورات۔ چمڑے کا سامان فروخت ہوتا ہے۔

کوچ گھوم کر ایک اور جگہ پہونچی یہاں ایک قلعہ نما بستی تھی۔ چاروں طرف دیوار کھنچی تھی۔ یہ بربر آبادی تھی۔ اندر داخل ہونے کے لیے دروازہ۔ یہ قصبہ کہلاتا ہے۔ اس میں سینکڑوں اور بعض میں ہزاروں مکان ہوتے ہیں۔

ہماری سواری شاہی محل کی طرف روانہ ہوئی۔ سب لوگ محل اور بادشاہ کو دیکھنے کے مشتاق تھے۔ ایک سڑک پر داخل ہوئے۔ کوچ روک دی گئی۔ چوڑی سڑک۔ ایک عمارت اور درختوں کے جھنڈ میں شاہی محل جو نظر نہیں آتا تھا۔ اس میں مراکو کا حال اور مستقبل رہتا ہے۔ اس کی معیشت اور قسمت رہتی ہے۔ سیاح کوچ سے اتر کر دروازے کی طرف گئے یہ باب الروح کہلاتا ہے۔ بس سیاحوں کی رسائی اسی جگہ تک ہے۔ اس کے بعد عام آدمی کے پر جلتے ہیں۔ بادشاہوں کے محل ان کے محن و والان اور آرام گاہیں اس وقت دیکھنے کو ملتی ہیں جب وہ تاریخ کے صفحوں میں آرام کرنا شروع کر دیتے ہیں یہ محل 12 ویں صدی میں بنایا گیا تھا۔ جہاں ہم کھڑے تھے یہ رائل پارک یعنی شاہی لان تھا۔ اور سچ پوچھیں تو پورا مراکو رائل پارک ہے۔ کوچ میں واپس آئے۔ باہر نکلے تو ایک اور مسجد کی عمارت نظر آئی یہ رباط کی انتہائی خوبصورت اور بڑی مسجد ہے۔

ایک جگہ کوچ رکی تو صالح حسن ہماری زندگی سے نکل گیا۔

جولین کی پسند کی جگہ۔ دوپہر کا کھانا نوش کرنا تھا۔ کانوں نے سنا۔ آنکھوں نے دیکھا اب زبان کے چکھنے کا نمبر تھا۔ گائیڈ سب کو گھیر کر جن ریسٹورنٹ میں لے گیا اس کا نام کیفے۔ ریسٹورنٹ سعادی تھی۔ اب نہ جانے سعدی شیرازی سے ان کا کیا رشتہ تھا۔

کوئی ایران گیا بھی تھا یا نہیں۔ اس سے سیاح کو کیا غرض۔ سعادی ریسٹورنٹ بس ایونیو

اورنگ زیب قاسمی

اہل بن عبداللہ روڈ پر واقع ہے۔ ایک میز کے گرد جو چار سیاح بیٹھے ان میں ہم شامل تھے۔ برابر میں ایک ہنس مکھ خاتون سوزے آ بیٹھیں۔ یہ امریکہ سے آئی تھیں اور نیو یارک کی نسبت سے ہم ان کے نزدیک سمجھے گئے سامنے میاں بیوی آسٹریلیا سے تھے۔ نہ جانے اس ملک سے اتنے سیاح کیوں آتے ہیں۔ ہر ٹور میں ملتے ہیں۔ ایک دوسرے سے تعارف ہوا۔ امریکہ کی سوزے ہم سے مل کر خوش ہوئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے نیو یارک مدعو کر لیا وہ ریاست اور ہاؤ میں رہتی تھی۔ سوزے نے فوراً ہمارا دعوت نامہ قبول کر لیا۔ بس تاریخ مقرر کرنا باقی رہی۔ جس طرح دو سربراہان مملکت ملتے ہی ایک دوسرے کو اپنے ملک مدعو کر لیتے ہیں اور وہ قبول بھی کر لیتے ہیں بس تاریخ طے کرنا رہ جاتی ہے۔ ایسا ہی ہوا۔ سوزے نیچر تھی ہر ایک کی بات توجہ سے سنتی دلچسپی کا اظہار کرتی اور مسکراتی رہتیں۔ جو طالب علم اس سے پڑھتے ہوں گے۔ اس کا چہرہ دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہتے ہوں گے۔ تعلیم جائے جہنم میں۔

کیفے ریسٹورنٹ سعادی والوں کا دعویٰ تھا وہ مراکو اور یورپی کھانا پکانے میں ماہر ہیں۔ ہمیں ان دونوں سے رغبت نہیں۔ مراکو کے کھانے اور یورپ کے ڈشیں۔ برابر ہیں۔

پہلے بیرے نے کارڈ پیش کیا۔ اس میں تلی ہوئی مچھلی 80 درہم کی تھی۔ اور اگر پورا کھانا منگوایا جائے تو 90 درہم خرچ ہوں گے۔ اس میں تین آئیٹم۔ شوربا۔ مچھلی اور موسم کے تازہ پھل۔

''آپ کیا لیں گے۔ میں تو پورا کھانا منگوا رہی ہوں۔ یہ سستا ہے۔'' سوزے نے ہمیں مخاطب کیا۔ امریکہ کے حوالے سے اسے مشورہ دینے کا اختیار تھا۔ ''یہی مناسب ہے۔'' ہم نے جواب دیا اور سوزے نے اپنے اور ہمارے لیے پورا کھانا منگوالیا۔ بیرے نے پلاسٹک کی ٹوکری میں ڈبل روٹی کے ٹکڑے لا رکھے یہ کالی مرچ اور نمک کی طرح مفت سہولت تھی۔ جتنا جی چاہے کھائیں۔ اجنبی ملک اور نا آشنا کھانوں سے بہتر ڈبل روٹی ہوتی ہے پہلے بھاپ اڑاتا ایک گہرے پیالے میں شوربا آیا'' اس میں کالی مرچ اور سرکہ ڈال کر ذائقہ بڑھایا۔ ڈبل روٹی اور سوپ سے پیٹ بھر لیا اس کے بعد بڑی پلیٹ میں ہرے پتے پر بھنا ہوا مچھلی کا ٹکڑا لایا گیا۔ کالی مرچ سرکہ ڈالا تو پہلا لقمہ نا آشنا اور پھر زبان نے قبول کر لیا۔ اب تیسرا دور شروع ہوا۔ گرما کے چھ ٹکڑے چھلکے سمیت لا رکھے گئے۔ چھری کی مدد اور کانٹے سے لگا کر کھایا تو معلوم ہوا ظالم شکر

میں پکا کر لائے ہیں۔ حلق سے اتارا تو محسوس ہوا جسم میں شکر کی چھوٹی سی بوری اتری ہے۔ ہمیں عربی نہیں آتی نہ فرنچ سے واقف ہیں ورنہ مشورہ دیتے۔ گرما سے شکر نکال لیا کرو۔ خواہ مخواہ کھلا کر کیوں ضائع کرتے ہو۔

ہمارے سامنے جو منرل واٹر کی چھوٹی بوتل رکھی تھی اس کی ادائیگی بھی کرنی پڑی۔ بل ادا کیا سو درہم سے اوپر بنا۔

کوچ روانہ ہوئی تو ہم نے آنکھیں بند کر لیں۔ پیٹ بھرنے والے خواب دیکھنے کے لیے۔

بربروہسکی

کوچ ایک گاؤں میں داخل ہوئی تو جولین نے کہا۔

''اس جگہ آپ کو بربروہسکی پلائے جائے گی.....''

''وہ کی.....'' ہم چونک گئے۔

''یہ روایت میں داخل ہے.....'' جولین نے بتایا۔ سیاحوں کے چہرے چمک اٹھے۔

''ہم مسلمان ہیں شراب نہیں پیتے.....'' پہلے تو عیسائی کا ئیڈ دیا اب وہ شراب پلانے پر بضد ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ ہم نے سوچا۔

''یہاں جو آتا ہے، بربروہسکی ضرور پیتا ہے۔'' جولین سمجھا رہا تھا اور ہم الجھ رہے تھے۔

''یہ دراصل پودینے کی چائے ہے۔ جیسے بربروہسکی کہا جاتا ہے۔'' جولین نے ہنس کر بتایا۔ ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔ سیاحوں کے چہرے اتر گئے۔

کوچ رکی تو بہت سی سیڑھیاں چڑھ کر گیلری میں پہونچے۔ جہاں کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک بیرے نے چائے سامنے لا رکھی۔ چھوٹے گلاس میں دو تین پودینے کی شاخیں پڑی تھیں۔ ہم نے چکھ کر دیکھا ذائقہ برا نہیں تھا۔ اسے پی کر اس بات کا یقین ہوا کہ بربر قبیلے نے وہسکی کبھی نہیں پی۔ یا پھر ہمیں بیوقوف بنایا جارہا تھا۔ سفر کے دوران اکثر بیوقوف بنائے گئے۔ ٹوٹے راستے گرتے ستون اور اپنے قدموں میں بیٹھتی دیواروں کی وہ رنگین اور سنگین داستانیں سنائی گئی ہیں کہ تعمیر کرنے والوں کو معلوم ہوتا تو وہ کسی اور وجہ سے نہیں خوشی سے مرتے۔ اس پودینے کے گرم پانی کے پانچ درہم لگے یہ مہنگا سودا نہیں تھا۔ برابر میں ہوٹل تعمیر ہورہا تھا اس کی ایک دیوار پر ہمارے سامنے ایک بڑا ٹائل لگایا گیا۔ رباط کی تعمیر ہمارے سامنے بھی ہوئی۔ اس بات کا فخر سے دعویٰ کرسکتے ہیں۔

جولین نے کہا پودینے کی چائے پی کر نشہ ہوجاتا ہے اسے ہوتا ہوگا ہمیں تو قطعاً نہیں ہوا۔ اس لیے دونوں طرف سے..... خشک زمین دیکھتے رہے بعض جگہ زیتون کے درخت بھی نظر آئے۔ گرم دھوپ میں کئی جگہ کسان بیٹھے زیتون کا تیل بیچ رہے تھے۔ ہم نے کسی کو خریدتے نہیں دیکھا۔ نہ جانے ان خشک ویرانوں میں گاہک کہاں سے آتے ہوں۔ شاید کوئی سیاح کبھی جاتا ہو۔ اللہ انہیں بھی رزق دیتا ہے۔ اس کا ذمہ ہے۔

اٹلی۔ یونان اور اسپین کے بعد یہ سب سے زیادہ زیتون اگاتے ہیں۔ ترکی کا نام جان بوجھ کر نہیں لیتے۔ شاید مراسم اچھے نہیں۔ اس بات پر فخر بھی کرتے ہیں کہ ترکوں کو اپنے ملک پر قبضہ نہیں کرنے دیا۔ ترک بادشاہ اس دنیا میں نہیں ورنہ ان سے پوچھ لیتے۔

مراکو کیسے بچا رہا۔ رباط کے مشرق میں 140 کلومیٹر اور فیاس سے 60 کلومیٹر دور یہ میک نیز ہے۔ جو کچھ عرصے مراکو کا دارالخلافہ بھی رہا۔ ہم اس شہر میں داخل ہورہے تھے۔ یہ سلطان اسماعیل کا مرہون منت ہے۔ 10 ویں صدی میں یہاں میک نیسا آباد ہوا جو بعد میں میک نیز کہلایا ابو یوسف المنصور نے نیا قصبہ اور ایک مسجد ابوالحسن بنائی۔

سلطان اسماعیل نے میک نیز کو صدر مقام بنایا۔ شاہ وقت جو چاہتا ہے کرسکتا ہے۔ سلطان نے ایک فوج بنائی۔ صاحبان فن کو بلا کر اپنی آن اور علاقے کی شان بڑھائی۔ شہر کے گرد ایک دیوار بنائی۔ ان دنوں بادشاہوں کو تعمیر کا بہت شوق تھا اور نہیں تو دیواریں بنا لیتے تھے

اورنگ زیب قاسمی

یہ ایک طرح اپنی اور شہر والوں کی حفاظت کے لیے ہوتا تھا۔ چین والوں نے ایسی دیوار بنائی جو مصر والوں کے اہرام کی طرح عجوبہ ہے۔ چنگیز خان نے اس میں سوراخ کر دیئے پھر بھی دیوار آج بھی مشہور ہے..... سلطان نے میک نیز شہر کی دیوار میں شاندار گیٹ بنوائے۔ مسجدیں تعمیر کیں۔ اور جب اسماعیل نے آنکھیں بند کیں۔ میک نیز کے نصیب بھی سونے لگے پوتے کے پوتے نے دارالخلافہ مراکش بنالیا پھر عجیب ہوا۔

زلزلہ آیا جس نے رہی سہی کسر پوری کر دی لیکن اب بھی یہ مرکزی شہر ہے۔ زراعت میں سب سے آگے ہے زیتون کی کاشت نے اس علاقے کو معاشی طور سے رئیس بنا دیا۔ اس کا ہم ایک بربر قبیلے میک ناسس سے بگڑ کر فیکر نیز پڑا میک نیز دوسرے علاقوں کو شراب۔ اناج رسیلے پھل اور زیتون کا تیل بھیجتا ہے۔ اس کے علاوہ سیمنٹ ٹیکسٹائل۔ برتن سازی۔ لکڑی پر کام اور کپڑوں پر دستکاری کے لیے مشہور ہے۔ فرانسیسیوں نے محافظ بننے کے بعد اس علاقے کو ملٹری ہیڈ کوارٹر بنایا۔ فرانسی کسانوں کو زرخیز زمینیں دیں۔ جو ان کے جانے کے بعد مقامی لوگوں کو ملیں۔ شہر میں ایک بڑا اسکوائر ہے۔ جہاں سہ پہر کے بعد زندگی نئی کروٹ لیتی ہے۔ کرتب کے شوقین۔ قصہ گو اور کھانے پینے کی اشیاء بیچنے والے جمع ہوتے ہیں۔ یہ شام اور شب کے آخری حصے تک دیکھنے کے منتظر ہوتے ہیں ہماری کوچ میک نیز کے شہر کے بیچوں بیچ پہونچی تو ایک نیا گائیڈ سوار ہوا۔ اس کا نام عمر تھا۔ وہ میک نیز کے در و دیوار سے متعارف کرانے لگا۔

مراکو میں دو مسجدیں ہیں جن میں غیر مسلم سیاح داخل ہو سکتے ہیں ایک کیسا بلانکا میں اور دوسری میک نیز میں جس کے سامنے ہم کھڑے تھے۔ یہ مسجد سلطان اسماعیل نے تعمیر کرائی تھی۔

ایک بڑا میدان پھر چند سیڑھیاں چڑھ کر کمرہ۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں کے ڈیزائن کا فرشدرمیان میں فوارہ۔ اس کے بعد دوسرا کمرہ اس میں بھی وہی فرش درمیان میں فوارہ۔ چند سیڑھیوں کے بعد ایک بڑا ہال درمیان میں فوارہ۔ چاروں طرف چٹائی بچھی تھی۔ جس پر سیاح اپنے جوتوں سمیت کھڑے تھے۔ گائیڈ عمر نے بتایا سامنے محراب ہے۔ جس کا رخ کعبہ کی طرف ہے۔ یہاں امام کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے ہیں۔ فوارہ وضو کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس میں آہستہ آہستہ پانی آرہا تھا۔ اس کی سطح میلی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا۔ یہ عرصے سے استعمال نہیں ہوا۔ عمر نے ہمارے پوچھنے پر بتایا اس مسجد میں صرف جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ ہفتے کے باقی

دنوں میں مسجد سیاحوں کو دکھانے کے کام آتی ہے۔ مسجد کے فرش دیواروں اور فواروں کی تعمیر اندلس سے ملتی ہے۔ ہوسکتا ہے اندلس سے آنے والے مہاجروں نے اسے بنایا ہو۔ اس ہال کے برابر مولوی اسماعیل اس کی بیوی کی قبر ہے۔ اس کمرے کے سامنے لکڑی کا چھوٹا جنگلہ ہے سیاح اندر نہیں جاسکتے۔

گائیڈ دنیا سے چلے جانے والے بادشاہوں کی شان میں اکثر گستاخیاں کرتے ہیں۔ عمر نے مولوی اسماعیل کے بارے میں بتایا۔ اس کی 500 بیویاں تھیں ہم نے درخواست کی۔

''خدارا تعداد کم کرو''

سیاح عورتوں نے بھی احتجاج کیا۔ لیکن گائیڈ اپنی بات پر قائم رہا۔ ہم نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا یہ ناممکن تہمت ہے ہمیں امید ہے مولوی اسماعیل کی اولادوں میں سے کوئی باقی ہوگا تو اس احتجاج پر مطمئن ہوا ہوگا۔

مسجد سے نکل کر ایک فٹ پاتھ پر چل پڑے میک نیز کا بازار دیکھنا تھا سڑک کے ایک طرف سے دوسری طرف جانے سے پہلے گائیڈ عمر نے کہا ''سب لوگ آنکھیں بند کر کے سڑک پار کریں۔'' ہمیں یہ بات پسند آئی اور پھر ایسا ہی ہوا۔ جب ہمارا گروپ اچانک سڑک پر آیا تو ٹریفک خود ہی رک گیا جس فٹ پاتھ پر پہونچے وہاں دکانیں تھیں اور ہر ایک دکاندار کی کوشش تھی کسی کو دبوچ لے۔ لیکن عمر کی حکمت عملی سے ہر شخص بچ کر نکلا۔ ایک جگہ رکے تو الٹے ہاتھ پر ایک قلعہ تھا۔ اس کا ایک عظیم الشان دروازہ جسے باب المنصور کہتے ہیں۔ اسے مولوی اسماعیل نے شروع کیا اور اس کے بیٹے نے مکمل کیا۔ یہ خوبصورت نقش و نگار سے سجا ہے۔ مراکو کا سب سے خوبصورت دروازہ ہے۔ ہمارے سیدھے ہاتھ پر بڑا اسکوائر ہے۔ یہ 17 ویں صدی میں بنایا گیا تھا۔ اس کا نام الحدیم ہے۔ جہاں خوبصورت گھوڑا گاڑیاں کھڑی تھیں اس میں سیاح شہر کی سیر کرتے ہیں۔ آگے روزمرہ کی چیزوں کی مارکیٹ تھی جسے سوک کہتے ہیں۔

کوچ میں سوار ہو کر ایک قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلے پانی کا حوض آیا۔ پھر ایک بڑا دروازہ یہ دارالحزن ہے۔ مولوی اسماعیل کا محل اور مطبخ خانہ یعنی باورچی خانہ۔ کوچ اندر داخل ہوئی اور ایک جگہ رک گئی دروازے سے اندر داخل ہوئے جگہ جگہ قالین بچھے۔ میزیں لگی تھیں جن پر بڑے بڑے برتن رکھے تھے۔ کسی دعوت کا انتظار تھا۔ ایک جگہ انگریزی اور عربی موسیقی

اورنگ زیب قاسمی

پوری آواز سے سنائی دے رہی تھی۔ ہمیں غلط فہمی ہوئی یہ تمام جہام ہمارے لیے ہے۔ قلعہ میں دعوت کا اہتمام ہے۔ سیر کے بعد کھانا ملے گا۔ گائیڈ بار بار ہوشیار کر رہا تھا" نیچے دیکھ کر چلیں" قالین الٹے سیدھے پڑے تھے۔

عمر نے بتایا۔" یہاں آج ایک کلب کی طرف سے ڈنر کا انتظام ہے۔" اس اطلاع نے ہمیں خوش نہیں کیا۔

ہال کے بعد باہر نکلے تو بہت سی دیواریں اور راستے بنے تھے۔ اس جگہ 12 ہزار گھوڑے رکھے جاتے تھے۔ اب وہاں خود رو گھاس اگی تھی۔ گھوڑے سلطان اسماعیل کے ساتھ تاریخ میں جا سوئے۔ سیاحوں کے لیے در و دیوار اور قصے کہانیاں رہ گئے۔ اندر کے کمروں میں ہزاروں لوگوں کا کھانا پکایا جاتا تھا۔ کھانا اور لوگ اب سیاحوں کی زبان پر رہ گئے۔

سیاح قلعہ سے باہر آئے تو عمر نے اجازت لی اور چند لمحوں بعد کوچ روانہ ہوئی تو عمر ماضی ہو گیا۔ اس لمحے جولین نے کہا

"آپ لوگ مڑ کر دیکھیں....."

پلٹ کر دیکھا تو دونوں طرف دور تک قلعے کی دیواریں تھیں جو اپنی جگہ کھڑی رہیں ہم آگے بڑھتے رہے۔ اور بڑھ آئے۔

فیاس میں آمد

شام 5 بجے کوچ کے نیچے چوڑی سڑک اور ہر طرف شہر آ گیا۔ یہ انگریزی میں فیض اور عربی میں طیاس کہلاتا ہے۔ ابو عبدالکریم ال خطابی روڈ پر واقع خندق سبلا ندید ہے۔ انگریزی میں اس ہوٹل کو اسپلینڈیڈ لکھا جاتا ہے یہی ہماری منزل تھی۔

پانچویں منزل پہ کمرہ ملا اور ساتھ بالکن۔

سامان رکھ کر بالکن کے ساتھ ہوٹل سے باہر آئے۔ یہ ایک مصروف جگہ ہے سامنے پارک۔ ہسپتال۔ اس کے کونے پر اخبار رسالوں کی دکان۔ بالکن ہمارے ساتھ دکان پر گئے۔ اس کا مالک ایک نوجوان تھا۔

نہ اسے انگریزی آتی تھی نہ وہاں کوئی انگریزی کا اخبار یا رسالہ موجود تھا۔ اشاروں میں بات کر کے باہر نکلے ہوٹل کے آگے سے سڑک چند گز بعد بائیں طرف مڑ جاتی تھی۔ سامنے

اورنگ زیب قاسمی

سیمنٹ کا فرش تھا۔ اس میں بنچیں اور ایک ٹیلی فون بوتھ تھا۔ ہم اس طرف گئے۔ فون اٹھا کر دیکھا ریسیور میں ٹون نہیں تھی۔ سڑک پار کی دونوں طرف بازار تھا سامنے سیمنٹ کا فرش سیڑھیاں اور فون بوتھ۔ ایک دکان اخبار رسالوں اور روز مرہ کے استعمال کی اشیاء کی نظر آئی۔ ہم اندر گئے اشارے سے فون کارڈ پوچھا۔ دوکاندار انگریزی سمجھتا تھا۔ 20 یونٹ کا فون کارڈ 30 درہم میں ملا۔ ایر پورٹ پر اس کارڈ کے 100 درہم دے چکے تھے۔ سیاحوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ دوسرے فون بوتھ کو استعمال کیا وہ بھی خراب تھا۔ پھر ایک اور فون بوتھ کی طرف پوچھتے اشارے کرتے۔ اشارے سمجھتے آگے بڑھے راستے میں جوس کی کئی دکانیں تھیں اس پر سموسے اور رول رکھے تھے۔ وہ اتنے چمکدار تھے جیسے کسی نے ابھی ابھی وارنش کی ہے۔ تعجب ہوا۔ بازاروں میں خوب رونق تھی لوگ گھروں سے نکلنے کے عادی ہیں۔ عورتوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ انہوں نے عربی یا یورپی لباس پہنا ہوا تھا۔ بے دھڑک بازاروں میں گھوم رہی تھیں۔ ہم ہی بچ رہے تھے۔ ایک بیکری دیکھی۔ کیک پیسٹری مٹھائی چمکیلی تھی۔ بعد کو معلوم ہوا زیادہ چینی استعمال کرنے سے یہ شکل نکلی ہے۔ معائنہ کرتے رہے۔ دوکاندار عربی میں غالباً خریداری پر اکسا رہا تھا۔ لیکن ہم تماشبین تھے خریدار نہیں۔ ایک دکان کے آگے چار پانچ لڑکے کھڑے، آتی جاتی لڑکیوں پر جملے کس رہے تھے۔ لڑکیاں بڑھتی جاتیں بعض کے ہونٹوں پر زیر لب مسکراہٹ آجاتی۔ شاید لڑکے ان کے حسن کی تعریف زیادہ کر رہے ہوں گے۔ تعجب ہوا عربوں میں بھی چھیڑ چھاڑ کی روایت ہے۔ بعض لڑکیاں واقعی حسین تھیں اور جملہ چست کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ لیکن ایک تو ہمیں عربی نہیں آتی پھر وہاں ضمانت دینے والا کون ہوگا۔ اس لیے لڑکیوں اور چھیڑنے والوں لڑکوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

ہوٹلوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ان میں کولڈ رنک پینے والے بہت تھے یہ کوکا کولا اور فینٹا پیتے ہیں۔ گپ لڑاتے ہیں۔ خوش ہوتے ہیں۔ ہم نے قہقہے لگاتے دیکھا۔ ہوٹل اپنی حدود سے بڑھ کر فٹ پاتھ تک ہوتے ہیں۔ ان میں بیٹھنے والے اکثر نوجوان ہوتے ہیں لیکن پاس سے گزرتی عورتوں کو نہیں چھیڑتے۔ شاید یہ رسم ہو کہ چھیڑنے کے لیے کھڑے ہونا ضروری ہے۔ کرسی پر بیٹھا ہوا شخص اس سہولت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

دکانوں میں روشنی مدھم تھی۔ غالباً پاور کم آتی ہوگی۔ نوجوانوں کے پاس وقت کی کمی نہیں

تھی۔ فٹ پاتھ کے دونوں طرف ہوٹلوں اور سمیٹ کے بنے ہوئے چوڑے فرش کی بنچوں پر بیٹھے باتیں کرتے نظر آتے تھے۔

ٹیلی فون بوتھ نہیں ملا اور ڈنر کا وقت ہونے لگا۔ اس لیے ہم واپس ہوئے۔ ہوٹل کا ڈائننگ ہال بھرا ہوا تھا ہمارے علاوہ دوسرے سیاح موجود تھے۔ یہ ہوٹل بھی سیاحوں کے لیے مخصوص تھا۔

میزوں پر ٹورز کا نام لکھا تھا۔ ہم سوزے کے پاس خالی کرسی پر بیٹھ گئے۔ میز پر ایک ٹوکری میں ڈبل روٹی اور مکھن رکھا تھا۔ منرل واٹر کی بوتل..... خریدی تھی۔ اس ٹور کا یہ پہلا ڈنر تھا۔ جس کی ادائیگی نہیں کرنی تھی۔

سب سے پہلے سبزیوں کا سوپ آیا۔ سرکہ اور نمک کالی مرچ ڈال کر ذائقہ بڑھایا۔ سوپ پی کر سبزیاں چھوڑ دیں تاکہ ان کا دوبارہ جوس نکالا جاسکے۔ یہ دور ختم ہوا تو ایک پیسٹری نما کوئی چیز پلیٹ میں سامنے لا رکھی گئی چھری سے کاٹ کر کانٹے سے منہ میں رکھا تو عجیب مزہ تھا دو چار لقموں کے بعد ذائقے کے عادی ہوئے تو یہ ختم ہوگئی۔ خالی پلیٹ اٹھا کر ایک پلیٹ میں آلو کا بھرتا۔ ایک ہرے رنگ کا پتہ..... اور اس پر بھینس کے گوشت کا ٹکڑا رکھا گیا جسے ہم نے چھری سے کاٹ کر ریشہ ریشہ کاٹنے سے کھایا۔ خدا کا شکر ادا کیا۔

سویٹ ڈش میں گرما کے دو ٹکڑے اور بیرے کی مسکراہٹ۔

پانی کی بوتل بازار میں 5 درہم کی ملتی ہے۔ ہوٹل میں دس درہم لیے گئے۔ ہم امریکہ سے آئے تھے اور دولت مند تھے۔ یہ لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ہمارا تعلق عالمی بینک سے نہیں۔ اور وہ جو سود لیتے پھر اس میں ہمارا حصہ نہیں۔ یہ بات کیسے سمجھاتے اول تو زبان کی رکاوٹ پھر اعتبار کی کمی۔ لاکھ کہیں کون مانے گا۔

اورنگ زیب قاسمی

ایک تصویر تباں

آج شام ہمارے اعزاز میں رقص موسیقی اور کھانا تھا۔ شام 7 بجے کوچ میں سوار ہوئے۔ ایک پیاری سی چھوٹی لڑکی ہمارے ساتھ آ بیٹھی جیسے گڑیا۔ کاندھوں پر سیاہ بال۔ موتی کی طرح دانت اور گلاب کی طرح چہرہ۔

اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے ہاتھ ملایا "میرا نام ایرا ہے۔"

اس کا ہاتھ ننھا سا خوبصورت تھا۔ "تم ہیبن کی رہنے والی ہو۔" ہم نے پوچھا

"نہیں میں جاپانی ہوں....."

"اتنی چھوٹی بچی کس کے ساتھ آئی ہو....."

"اکیلی....." اس نے بتایا۔

"اکیلی....." ہم حیران ہوئے۔ وہ ہنسنے لگی۔

آپ مجھے چھوٹی بچی سمجھ رہے ہیں۔ میری عمر 20 سال ہے۔ لندن میں پڑھتی ہوں اگلے سال ٹوکیو واپس جاؤں گی"..... وہ بولی.....

ہم نے غور سے دیکھا تو وہ بچی نہیں لڑکی تھی۔ "سوری....."

"نہیں سب ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ میں اکیلی آئی ہوں۔ اکیلے کمرے میں رہتی ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھا ہے....." ہم نے کہا

کوچ ہوا سے جھومتے پام کے درختوں کے درمیان سے گزر رہی تھی دونوں طرف سڑک تھی درمیان میں پختہ فرش۔ چند لکڑی کی بنچیں اور چھتی ہونے کی وجہ سے سینکڑوں مرد عورتیں یہاں کھڑے بیٹھے باتیں کرتے نظر آئے۔ کچھ پھولوں کی منڈیروں پر بیٹھے تھے۔ اگر اتنے ہی لوگ آتے ہیں تو انتظامیہ کو زیادہ بنچیں لگانی چاہئیں۔

ایرا اور ہم باتیں کر رہے تھے۔

بائیں طرف یہودیوں کا قبرستان آیا۔ ایک زمانہ تھا یہاں یہودی بڑی تعداد میں رہتے تھے۔ پھر 1948 میں اسرائیل ملک بنا تو یہ لوگ وہاں ہجرت کر گئے۔ کیسا بلانکا میں کچھ یہودی رہتے ہیں ورنہ مراکو ان سے خالی ہے۔ فیاس میں ایک قبرستان ہے جس کے چاروں طرف دیوار بنی ہے۔ بھلا مردے کہاں بھاگ سکتے ہیں۔

کوچ ایک جگہ رک گئی۔ اب سفر ایک پتلی گلی میں شروع ہوا۔ جو نیم تاریک تھی اور چند قدم بعد سیڑھیاں آ جاتی تھیں۔ اس لیے ساری توجہ زمین پر تھی۔ فرش چھوٹے پتھروں سے بنا تھا۔ اس گلی میں قدم قدم پر چھوٹے بچے اور بچیاں کھڑی تھیں جن کے ہاتھ پھیلے تھے۔ ایک حقیر سکے کے لیے۔ جو ان کے پیٹ کی آگ بجھائے گا۔ یہ بچے طارق بن زیاد کے تھے۔ جو فاتح اسپین تھا جس کے نام پر ایک پورا ملک آباد ہے۔ جبل الطارق آج جبرالٹر کہلاتا ہے۔ جو برطانیہ کے قبضے میں ہے۔ اس کی نسل کے بچے دنیا بھر کے سیاحوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے۔ ہماری جیب میں جو سکے تھے ان ہتھیلیوں پر رکھے گئے۔ لیکن لگے کم اور ننھے ہاتھ زیادہ تھے۔ اس لیے سر جھکا کر فرش دیکھ کر چلنے لگے۔ جیسے دائیں بائیں کچھ نہ ہو۔ کاش ایسا ہوتا۔

پتلی گلی مڑ گئی۔ پھر سیڑھیاں آئیں انہیں پار کیا تو چھوٹے چھوٹے ٹائیلوں سے بنے دروازے میں داخل ہوئے۔ چند سیڑھیوں کے بعد ایک ہال چاروں طرف سے محرابیں ان پر

اورنگ زیب قاسمی

انتہائی باریک بینا کاری جو چھت تک گئی تھی یہ گنبد کی طرح گول اٹھی ہوئی تھی۔ اس پر چھوٹے رنگین پتھروں سے ناقابل یقین نقش و نگار بنے تھے کسی زمانے میں یہ شاہی محل کا حصہ تھا اب ریسٹورنٹ ہے۔ رقص و موسیقی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تین طرف میز کرسیاں رکھی تھیں ایک طرف اسٹیج بنا تھا۔ جس پر دو طبلے اور وائلن والا دھنیں بجا رہے تھے۔ درمیان میں سرخ قالین بچھا تھا ہمیں اگلی میز پر جگہ دی گئی ساتھ میں فرانس کا جون اس کی بیوی الینا۔ سوزے فرانس سے آئی ہوئی جولی اور میری تھیں۔ سب کے لیے سرخ شراب لائی گئی اور لنچ جوس ہمیں دیا گیا۔ ایرا ہماری پشت والی میز پر بیٹھ گئی۔

ڈبل روٹی اور مکھن ایک ٹرے میں رکھا تھا۔ منرل واٹر کی دو بوتلیں لا کر رکھی گئیں۔ اس لمبے ہال میں چھ مراکو انداز کی خوبصورت پگڑی اور پٹکا لگائے دف بجاتے مرد آگئے اور ایک آدمی لوہے کا چمٹا بجاتا داخل ہوا۔

یہ لوگ جی جان سے ناچتے جاتے پوری طاقت سے دف بجاتے۔ چمٹا لہراتے۔ چاروں طرف صرف ان کی آواز کی گونج تھی۔ پھر وہ دف اس شدت سے بجانے لگے جیسے یہ دشمن کی کھال کے بنائے ہوئے ہوں۔ ان کی جگہ ہم ہوتے ایسا کبھی نہ کر سکتے اول تو ہمارے دشمن نازک پتلی کھال کے سروقد خوش ادا ہیں۔ پھر ان کے دف بنا بھی لیتے تو ہاتھ کب اس طرح پیٹتے۔ ہم یہی سوچ رہے تھے کہ اچانک وہ ہمارے سامنے گر گئے۔ ہم سمجھے پھسل گئے۔ اس شدت سے بجانے اور تھرکنے کا انجام سامنے تھا۔ لیکن چند لمحوں میں معلوم ہو گیا یہ جان بوجھ کر گرے ہیں۔ ایک سوزے کے قدموں میں گرا دوسرا کی ٹانگوں کے پاس۔ پھر ذرا سا اٹھے اور فوٹو گرافر نے جھپاک سے تصویر اتار لی۔ پھر یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہر حسین کے سامنے گرنا اور تصویر بنوانا۔ یہ حضرات ایک طرف سے گئے تو دوسری طرف سے تین عجیب پھندنے والی ٹوپیاں پہنے۔ بانسریاں اور دف بجاتے اندر آگئے وہ ناچے بانسری بجاتے دف پر ہاتھ مارتے اور اپنی ٹوپی کے پھندنے سر کی جنبش سے گول گول گھماتے۔ انہوں نے ادھر ادھر کی میزوں کے گرد بیٹھے لوگوں کو بلانا شروع کر دیا اور سر پر ٹوپی رکھ کر پھندنے کو ہلانے کے لیے کہتے۔ اس رات ہمارے علاوہ بھی بہت سے سیاح اس جگہ موجود تھے۔ یہ کھیل دیر تک رہا۔ کوئی بھی ٹوپی کو ان کی طرح لہرا نہ سکا یہ تفریح کا کھیل تھا۔ اس کے بعد ایک نوجوان داخل ہوا اس نے جسمانی

کرتب دکھانے شروع کیے۔ الٹا ہو کر منہ سے پانی پیا۔ ایک ٹشو اٹھایا۔ جسم کے بل پر الٹا ہوا اور اپنے ماتھے پر گرم لوہا چپکایا۔ پھر کئی لوگوں کو دعوت دی لیکن کوئی ایسا نہ کر سکا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور ایرا کو چھوٹی بچی سمجھ کر بلا لیا۔ ایک بار تو اس کے ہاتھ پاؤں اس طرح کر دیے کہ وہ اٹھ نہ سکے۔ سب نے احتجاج کیا۔ جسمانی کرتب دکھانے والے نے ایرا کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو وہ اٹھ گئی۔ بس صرف پھول جیسا چہرہ سرخ ہو گیا۔ تالیوں کے شور میں وہ گیا تو ایک آدمی بڑے تھال میں جلتی ہوئی موم بتیاں لے کر ناچتا ہال میں داخل ہوا۔ اور ایسا رقص کیا جس میں ہر لمحے یہ ڈر تھا اب تھال گرا لیکن وہ سر پر سنبھالے رہا۔ پھر ایک ہاتھ پر لے کر چکر لگاتا مختلف کرتب دکھاتا۔ لوگوں کے سر پر رکھ کر ان کی تصویریں کھنچواتا۔ اچانک اس کی نظر ایرا پر پڑی اور اسے ہاتھ پکڑ کر درمیان میں لے آیا۔ سر پر جلتی موم بتی کا تھال رکھا اور ڈانس کی ہدایت کی۔ وہ غریب کیا ڈانس کرتی اگر وہ تھال نہ سنبھال لیتا تو کم از کم موم بتیاں جن گلدستوں میں رکھی تھیں وہ ٹوٹ جاتیں۔ موم بتیوں والا گیا تو اندھیرا ہو گیا۔ ایسا محسوس ہوا شاید بجلی چلی گئی پھر اوپر سے ایک سرخ لائٹ اندر آنے والے راستے پر پڑی اور سب نے دیکھا بجلیاں برساتی ایک خاتون ٹھمک ٹھمک چلی آ رہی ہیں۔ جب وہ میزوں کے درمیان بچھے سرخ قالین پر آئیں تو ہر آنکھ اس طرف تھی۔ ان کا لباس دھجیوں کی صورت میں جسم پر لہرا رہا تھا۔ جی چاہتا تھا ہر طرف روشنی ہو جائے تاکہ ان کے جسم و جمال کے جلوے پوری طرح نظر آ سکیں۔ وہ محو رقص ہوئیں یہ بیلی رقص کہلاتا ہے۔ جس میں پیٹ سے کرتب دکھائے جاتے ہیں۔ جو دور بیٹھے تھے الجھ رہے تھے جو نزدیک تھے تڑپ رہے تھے۔ پھر ہر طرف سے روشنیاں جل اٹھیں۔ ان کے جسم کا ہر حصہ نمایاں ہو گیا۔ ایک ماہی بے آب مچل رہی تھی۔ اور مچھیرے تاک میں تھے کب اسے دبوچ لیں۔ مراکو پر فرانسیسی 1812 سے 1956 تک قابض رہے تو رقاصہ کے جسم پر لباس کا یہ حال کیا دس بیس سال اور رہ جاتے تو آج یہ تکلف بھی نہ ہوتا۔ لیکن فرانس والوں کو جلدی تھی مراکو والے پریشان تھے یا اس رات ناظرین بے چین تھے۔ ہم نے فیصلہ کر لیا اگلی بار ایسی جگہ جائیں گے جہاں فرانس ابھی تک بگاڑ کر رہا ہوگا۔

رقص جاری رہا۔ اچانک ایک حادثہ ہوا۔ ہم تن و من سے محو رقص تھے کہ وہ غیرت ناہید لپک کر آئی اور ہمارے گال سے گال لگا دیا۔ اس سے پہلے کہ اس سانحے کو محسوس کر سکتے ایک

روشنی کا چھپاکہ ہوا اور وہ تھرکتی چلی گئی۔ اس کا مطلب تھا ہماری تصویر بن گئی۔ ہر طرف سے تالیاں بجائی گئیں خاص طور سے ہماری میز والے تو اس حرکت نازیبا سے بے حد خوش ہوئے۔ ہم سمجھ گئے یہ سب ہمارے دشمنوں کی سازش ہوگی جب گفتار سے کام نہ چلا تو کردار پر حملہ کردیا۔

اس رقاصہ نے ہر طرف ہوائی پیار پھینکا اور چلی گئی۔ یوں محسوس ہوا یہ صرف ہمارے ساتھ تصویر کھنچوانے کا منصوبہ تھا دوبارہ میوزک کا چھناکا ہوا اور ایک اور خاتون رقص کرنے تشریف لائیں۔ ان کا لباس زیادہ ناموزوں نہیں تھا لیکن حرکات وسکنات قابل سنسر تھیں۔ ذرا دیر بعد انہوں نے ایرا کو دبوچا اور رقص کے لیے میدان میں لے گئیں۔ ہر طرف قہقہے لگائے گئے۔ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ اس بیلی ڈانسر نے جب ہماری میز کی طرف دیکھا ہم نے فوراً پانی پینا شروع کردیا۔ آس پاس والے سمجھے ہوں گے خون کی گردش کم کر رہے ہیں حالانکہ ہم عزت بچا رہے تھے۔ غریب الوطنی میں یہ ایک سرمایہ باقی رہا ہے۔ اس رقص کے دوران ہم نے ایک بوتل پانی پیا ہوگا۔

کھانے میں پہلے سوپ لایا گیا۔ اسے حریرا کہتے ہیں اس نام کا ایک شوربا سا ہمارے ملک میں ان خواتین کو پلایا جاتا ہے جن کے ہاں ولادت ہوئی ہو۔ اس میں چار مختلف پھلوں کے بیج۔ بادام۔ پستے پیس کر اصلی گھی سے بگھار لگا کر خاتون کو پلایا جاتا ہے۔ ایک بار ذرا سا ہمیں بھی نوش کرنے کا موقع ملا تب سوچا تھا ولادت کے بعد اتنا خوش ذائقہ سوپ اور مزیدار گوند ملتا ہے تو ایک دو بچے ہمیں پیدا کرنے میں کیا اعتراض۔ لیکن مشیت ایزدی نے جو چاہا ہوا۔

یہاں حریرا لہسن، ادرک، ٹماٹر، ہلدی، کسی دال کا گھوٹا اور چنے ہوتے ہیں یہ واحد کھانا تھا جو مراکو میں پسند آیا۔ پھر سلاد آئی۔ وہی گھاس پات اس میں ملکہ مسور تھی۔ یہ ہماری مرغوب دال ہے۔ مراکو والے خوب کھاتے ہیں اس طرح ہمارے ان کے درمیان ایک قدر تو یہ مشترک ہوئی۔ اس کے بعد ایک بڑا کونڈا آیا جس میں گائے کے گوشت کی بوٹیاں سبزیوں میں پکی تھی۔ خدا کا شکر ان میں پتوں والی سبزیاں نہیں تھیں جس سے کھانے میں کڑواہٹ ہوتی ہے۔ کونڈے سے ہر ایک کے حصے میں ایک بوٹی آئی۔ ہم جو سیروں کے حساب سے کھاتے ہیں۔ آج قیاس میں غریب ہوگئے۔ ایک بوٹی پر جو گزر ہوئی تو اپنی گائے بھینس بہت یاد آئیں۔ ہمارے ملک

کی کیم وشیم ملی ادا کارائیں برا نہ مانیں۔

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ

سویٹ ڈش کی باری آئی تو ایک بڑی پلیٹ میں چیری اور گرما کے ٹکڑے تھے۔ چیری مراکو میں پیدا نہیں ہوتیں۔ سیاحوں کے لیے غالباً اسپین سے منگائی جاتی ہوں گی۔ اچھی تھیں ریگستانی علاقوں میں تربوز خربوزے گرما لذیذ اور میٹھے ہوتے ہیں وہ ایسے ہی تھے۔

جولین گائیڈ نے راستے میں کہا تھا کہ آخری بیلی ڈانسر بے حد حسین اور نہایت پھرتیلی رقاصہ ہے۔ اس کے جسم میں پارہ بھرا ہے۔ ہم اس بارے میں کیا کہتے سنا کیجیے۔ دیکھیں گے تو اپنی رائے دیں گے۔ اچھی ہوئی تو اظہار کریں گے ورنہ خاموش رہیں گے۔ سب کو اسی کا انتظار تھا یا یوں کہیں دل بے قرار تھا۔ ایک چھناکہ اور دھماکہ ہوا اور چھل چھل کرتی نازو ادا دکھلاتی تھرکتی اٹھلاتی ایک رقاصہ میدان میں آگئیں۔ جو تعریف تھی اس میں ہم حور پری سمجھے تھے۔ انہیں دیکھ کر جولین کے معیار حسن پر حیرانی ہوئی۔ وہ پہلی رقاصہ سے کسی طور بھی اچھی نہ تھیں۔ لباس کتنا ہی نازیبا ہو فن اور جسم بھی بولتا ہے۔ انہوں نے پیٹ اور کولہوں کے جو کرتب دکھائے تو سیاح خاص طور سے مرد جھوم اٹھے۔ رقص اچھا تھا۔ موصوفہ نے جو کم لباس پہنا تھا اسے مزید مختصر کردیا اور ایرا کو کھینچ لیا۔ وہ غریب یہ کرتب کیا جانے۔ پھر اچانک ہماری طرف بڑھی۔ ہماری سانس رک گئی لیکن وہ جولی کو لے گئی۔ وہ ظالم فرانس میں بیلی ڈانسر تھی یا کولہوں سے کرتب دکھاتی ہے۔ دو منٹ سے کم اس نے رقص کیا۔ اپنے پیٹ سے قمیص ہٹائی۔ ذرا سے کولہے دکھائے...... اور ہر میز سے تالیاں اور نعرے وصول کیے جب وہ ہماری میز پر واپس آئی تو سب نے ہاتھ ملایا بعض نے گالوں پر پیار بھی کیا۔ اندھیرے میں شاید کسی نے اس کی کمر بھی سہلائی یا ہم نے تصور میں دیکھا۔ ہم نے ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا آخر کردار بھی کوئی چیز ہوتی ہے پھر گناہ بے لذت۔ دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔

ہم اسی سرمستی میں تھے کہ سر پر ایک صاحب آ کھڑے ہوئے اور تصویر پیش کی۔ ادھر ادھر کے لوگوں کو بھی تصویریں دیں...... ہم نے غور سے دیکھا بیلی ڈانسر ہمارے گال سے گال اور اپنا جسم ہمارے سائڈ سے لگائے کھڑی تھی۔

"سر 100 درہم......"

اورنگ زیب قاسمی

"کیوں....."

خرید لیں....."

"ہم کیا کریں گے....."

"ایک یاد قیاس کی"..... فوٹو گرافر بولا

"اگر ہم نہ خریدیں تو....."

"ہم بیلی رقاصہ کو دے دیں گے"..... اس نے کہا

"وہ کیا کرے گی....."

"یہ وہ جانے....." وہ بولا

زندگی میں ہم ان چیزوں سے ہمیشہ ڈرتے رہے۔ مرزا غالب نے کہا تھا۔

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ سامان نکلا

اگر یہ تصویر خرید لی تو ہمارے بعد کیسی رسوائی ہوگی اور ڈر یہ بھی تھا کہ اگر یہاں چھوڑ دی تو ظالم اس ہوٹل میں نہ لگا دیں اور آنے جانے والوں میں سے کوئی پہچان لے تو.....

"قیمت زیادہ ہے....."

"سر تصویر تو دیکھیں....."

"اتنے میں تو رقاصہ آجاتی ہوگی....." ہم نے پوچھا

"نو سر۔ اتنے میں تو اس کے سر کا ایک بال بھی نہیں ملتا آپ کے لیے دس ڈالر سے بھی کم ہوں گے....."

"لیکن....."

"سر جلدی کیجیے دوسرا آئیٹم شروع ہونے والا ہے....."

ہم نے گھبرا کر جیب سے سو درہم نکالے۔ اس کے حوالے کیے اور پوچھا۔

"اس کا نیگیٹو....."

"سر یہ پولورائیڈ کیمرے سے کھینچا ہے اس کا نگیٹو نہیں ہوتا....."

ہم دوسری بار بلیک میل ہوئے تھے۔ پہلے ایر پورٹ پر فون کارڈ کے لیے اور دوبارہ

آج۔ اچانک زور زور سے ڈھول تاشے بجنے کی آوزیں آنے لگیں۔ ایک بارات داخل ہوئی۔ پہلے لڑکیاں گاتی آئیں پھر انتہائی سیاہ رنگ کا دولہا اس کے سر پر ہار بندھا تھا جو ہمارے ملک میں بقرعید کے موقع پر بچے بکرے کے سر پر باندھتے ہیں۔ سچ پوچھیں تو یہ دولہا کی قربانی کا دن ہے بعض کا خیال ہے دلہن قربان کی جاتی ہے۔ کچھ بھی ہو ہم سمجھتے ہیں ان کی آزادی خود مختاری قربان ہوجاتی ہے۔ دولہا میاں ایک طرف بیٹھ گئے۔ جب لڑکیاں ناچ چکیں تو ایک ساتھ تین دلہنیں داخل ہوئیں ایک سیاہ رنگ کی دوسری گوری نہایت اچھی شکل کی تیسری خوبصورت کمسن۔ جب یہ تینوں سیاہ فام دولہا کے ساتھ بیٹھ گئیں تو ایک بڑا طشت لایا گیا جس کے نیچے پائے لگے تھے۔ اس میں پہلے نیگرو اس کے بعد ایک ایک کرکے دوسری دلہنوں کو بٹھا کر اوپر اٹھایا گیا اور چار آدمیوں نے سر پر رکھ کر طشت کو گھما گھما کر تمام سیاحوں کو دکھایا عجیب منظر تھا۔ جو کمسن دلہن تھی وہ تو طشت میں بیٹھ کر سہمی ہوئی تھی۔ اس رسم رونمائی یا دلہن دکھائی کو ہم نے پسند نہیں کیا۔ وہاں کس سے احتجاج کرتے۔ اس کے بعد دلہن دوبارہ دولہا کے پاس آبیٹھیں سیاہ فام دائیں طرف اس کے بعد دولہا پھر دو گورے رنگ کی دلہنیں۔

موسیقی بجائی جارہی تھی اور سیاحوں کو تاڑ دیا جارہا تھا کہ یہ اسلامی شادی ہے ہم نکاح کے انتظار میں تھے۔ وہ نہیں ہوا۔ بلکہ جولین نے ہم لوگوں سے کہا "آپ دولہا دلہن کے ساتھ تصویر کھنچوالیں۔"

گروپ فوٹو کے لیے ہم لوگ بڑھے تو دونوں دلہنوں کے پاس ایک کرسی خالی تھی ایک دلہن نے ہمارا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کرسی پر بٹھالیا اور انگریزی میں پوچھا..... "کس ملک سے آئے ہیں.....؟"

ہم اپنا تجسس دور کرنے بیٹھ گئے اور اس کے جواب کے بجائے ہم نے سوال کردیا۔

"تم مسلمان ہو....."

"جی ہاں....."

"یہ شادی تمہاری پسند کی ہے....."

"جی ہاں....."

"تم نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے....." ہم نے اس کے برابر کمسن دلہن سے

اورنگ زیب قاسمی

پوچھا.....

اس نے بھی انگریزی میں جواب دیا..... ''جی''

''ہم بربر ہیں.....'' ہمارے برابر والی نے کہا

''لیکن یہ تمہارے برابر والی تو چائنی ہے۔ یہ بربر کیسے ہوئی'' ہم نے پوچھا

''بربر کسی بھی لڑکی سے شادی کر سکتے ہیں.....'' اس نے جواب دیا

''تین لڑکیوں سے ایک ساتھ شادی.....'' ہم نے تعجب سے پوچھا۔

''جی.....'' وہ بولا

''بکواس..... غلط۔ سراسر ناانصافی.....''

''یہ بربر قبیلے کی رسم ہے.....''

اتنے میں تصویر کھینچ گئی۔ اب دوسرے سیاحوں کا نمبر تھا۔ ہم کرسی سے اٹھنے لگے تو ولین نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور دائیں آنکھ مار کر کہا

''سب چلتا ہے.....'' یہ آنکھ ہمارے کھٹ سے لگی سمجھ میں نہیں آیا 'سب چلتا ہے' کا کیا مطلب ہے.....؟

جب دوبارہ کوچ میں بیٹھے تو ہمارے خون میں ابال آیا ہوا تھا۔ ہم نے جولین سے مائیک لے کر سیاحوں کو مخاطب کیا۔

''اسلام میں اس قسم کی کوئی بیہودہ رسم نہیں۔ ایک ساتھ تین لڑکیوں سے شادی خلاف شرع اور بے اصولی ہے..... مذہب اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

''پھر یہ کیا تھا.....'' جولی نے پوچھا

''بیہودہ ڈرامہ.....''

''کیوں دکھایا.....''

''مسلمانوں کا تاثر خراب کرنے کے لیے۔ اسلام میں دوسری شادی کے لیے کوئی وجہ ہوتی ہے۔ اس طرح ایک ساتھ تین لڑکیوں سے شادیاں ممکن نہیں.....''

''آپ کے مذہب میں چار شادیاں ہوتی ہیں.....'' جون نے پوچھا۔

''ہاں۔ لیکن اس طرح نہیں.....''

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ جولین چپ تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ عیسائی تھا اور اسلامی مملکت میں ایک مسلمان کو بولنے کی آزادی سے نہیں روک سکتا تھا۔

جب ہم ہوٹل پہونچے۔ لاؤنج میں ٹور کی تمام خواتین جمع ہو کر ہماری بات توجہ سے سننے اور سمجھنے لگیں۔ جب وہ اپنے کمروں میں جا رہی تھیں مطمئن تھیں کہ اسلام میں عورت کے حقوق اور حرمت کی سب سے زیادہ قدر و منزلت ہے۔

ہم ایک بات سوچتے ہیں کہ فیاس میں ہر شب بینکڑوں سیاح شادی کا یہ جھوٹا ڈرامہ دیکھ کر اسلام کے بارے میں جو تصور لے جاتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی دنیا بھر میں ذلت اور رسوائی کے لیے کافی ہے۔

پیڑا کے ساتھ سیر

بزرگ کہتے ہیں رات کو بغیر ضرورت باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ ہم نے اس نصیحت پر ہمیشہ عمل کیا اور محفوظ رہے۔ خاص طور سے ملک سے باہر ہوں کوئی پریشان حال نہ ہو تو شام ہی کمرے میں آجاتے ہیں۔ بہت ہوا تو ہوٹل کے لاؤنج کیفے یا سوئمنگ پول کے نزدیک جا بیٹھے اور سیر جہاں کرلی۔ مراکو میں بھول ہوگئی رات کے گیارہ بجے تھے۔ ہم نے سوچا نیویارک میں شام کے سات بجے ہوں گے فون کرلیں۔ ہوٹل کے نزدیک سیمنٹ کے فرش کے درمیان ایک فون بوتھ دیکھ چکے تھے جہاں چند بنچیں تھیں جن پر اکثر لوگ بیٹھے نظر آتے تھے۔

ہم ہوٹل کے برابر فٹ پاتھ پر پہونچے۔ سڑک کے دوسری طرف سے کسی نے آواز دی ''ہیلو'' ہم نے دیکھا ایک صاحبزادی قابل اعتراض لباس پہنے متوجہ کررہی تھیں۔ اس قسم کی خواتین سے اکثر واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ ہم نے آگے بڑھنا چاہا تو دیکھا وہ سڑک پار کرکے آرہی

ہیں۔ اور لمحوں میں سامنے کھڑی تھیں۔

''آپ کہاں جارہے ہیں.....'' وہ بولیں

نزدیک سے دیکھا تو خیال آیا یہ ہمارے ساتھی سیاحوں میں سے ایک ہیں۔ ابھی تک ان سے تعارف نہیں ہوا تھا۔

''میں پیڑا ہوں.....'' انہوں نے ہاتھ بڑھایا ''آپ کی ہم سفر.....''

''اس وقت کہاں جارہے ہیں..... انہوں نے پوچھا۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا یوں ہی کہہ دیا..... ذرا ٹہلنے.....''

وہ کھل اٹھیں۔ ''میں بھی چہل قدمی کرنے جارہی ہوں۔ آپ کے ساتھ چل سکتی ہوں۔'' ہم نے انہیں دیکھا۔ گلے کے بہت نیچے سے ایک ڈھیلا سا لباس ٹانگوں کے بہت اوپر ختم ہوگیا تھا۔ گورا رنگ اندھیرے میں چمک رہا تھا۔

''کیوں نہیں..... آیئے۔''

وہ ساتھ چلنے لگیں۔ ہمیں احساس بھی نہ ہوا کہ کتنی بڑی غلطی کر بیٹھے ہیں۔

پیڑا فرمانے لگیں ''سیر کو نکلی تھی سامنے جو لڑکے بیٹھے ہیں وہ چھیڑنے لگے۔ تب مجھے احساس ہوا۔ رات کو کسی مرد کو ساتھ ہونا چاہیے۔ اچھا ہوا آپ مل گئے.....''

اس کا مطلب تھا آج رات ہماری مردانگی کو آزمایا جائے گا۔

بنچوں کے پاس پہونچے۔ وہاں چار پانچ عجیب شکلوں کے لڑکے بیٹھے تھے۔ ہمیں دیکھ کر چھیڑنے لگے۔

حلوہ حلوہ تو ہم سمجھ گئے باقی کیا کہا معلوم نہ ہوا۔ بس ڈر یہ تھا کہ اگر ساتھ حلوہ ہے تو ہم پوری ہوئے اور حلوہ پوری ایک ساتھ کھایا جاتا ہے۔ انہوں نے ہمارا ہاتھ زور سے پکڑ لیا جو خوف کے عالم میں ہوتا ہے۔ انہوں نے تو ہمارا ہاتھ پکڑ لیا ہم کس کا پکڑیں سمجھ میں نہیں آیا۔ اس جگہ سے خیریت سے نکلے تو سامنے چوڑی سڑک اس کے بعد پھر سیمنٹ کا فرش اور فون بوتھ۔ بازار بند تھا اور اندھیرا تھا۔ دور روشنیاں تھیں وہ بھی مدھم۔ پیڑا ہمارا ہاتھ زور سے پکڑے ہوئے تھیں اور ہم بائیں طرف چل پڑے۔ چند قدم بعد ایک روشن دکان تھی۔ یہاں سے جوس پی چکے تھے۔ اچھا ہوتا ہے۔ ہم نے پیڑا کو دعوت دی۔ وہ کہنے لگیں ''آپ پی لیں.....'' تب

اورنگ زیب قاسمی

احساس ہوا انہیں بیئر یا سرخ شراب کی دعوت دینی چاہیے تھی دکان سے آگے بڑھے تو پھر اندھیرا۔ ایک دکان کھلی تھی اس کی روشنی اچھی لگی۔ پھر اندھیرا۔ اچانک ہماری پشت پر دو لڑکے آگئے وہ زور زور سے بول رہے تھے۔ ہمیں پختہ یقین تھا ان میں سے ایک پیڑا کو دبوچ لے گا اور دوسرا ہمیں گرا لے گا۔ ہم دونوں تیز چلنے لگے ان کی رفتار بھی بڑھ گئی۔ خطرہ سر پر آ گیا تو ہم رک گئے پیڑا نے ہاتھ اور مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس کا خیال تھا۔ اگر کچھ ہوا تو پہلے ہماری لاش گرے گی۔ پھر اس کا بال بانکا ہوگا۔ لڑکے تیزی سے نزدیک آئے اور عربی بولتے آگے بڑھ گئے۔ اب ہمت بندھی خوامخواہ خوفزدہ ہو رہے ہیں۔ اسلامی ملک ہے قانون سخت ہیں پھر خیال آیا سب ٹھیک ہے لیکن بھوکوں کے سامنے سے سویٹ ڈش لے کر گزریں اور ان کی ضبط کا امتحان لیں یہ مناسب نہیں۔

"آگے بالکل اندھیرا ہے..... واپس چلیں....." ہم نے مشورہ دیا

"ٹھیک ہے..... دوسری طرف چلتے ہیں....."

مطلب تھا میاں یوں سلامت واپس جاؤ گے ذرا مراکو والوں کے گھونسے وغیرہ دیکھ لو۔

ہم سمجھ گئے پیڑا کو رقیبوں نے درہم دے کر ہمیں فیاس میں مزار کی صورت رکھنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ دوسری طرف ایک روشن پیٹرول پمپ تھا۔ اس کے آگے دو چار دکانیں کھلی تھیں۔

پیڑا بتا رہی تھی وہ لندن کے ایک اسکول میں ٹیچر ہے۔ کمال ہے سوزے بھی استانی ہے۔ کیا سارے پڑھانے والے اس ٹور میں شامل ہیں۔ پیڑا کو ملک ملک کی سیر کا شوق ہے۔ لندن سے اکیلی آئی ہے۔ اکیلے کمرے میں رہتی ہے مردوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اچھے لوگ پسند ہیں۔ جیسے ہم۔ دوستی کے قابل ہم سوچ رہے تھے آج کی رات زندہ ہوٹل پہونچے تب دیکھا جائے گا۔ ابھی تو حالات موافق نہیں۔

"خاصا ٹہل لیے..... اب واپس چلتے ہیں....." ہم نے مشورہ دیا

"تھوڑی دیر اور۔ آپ تھک تو نہیں گئے....."

"جی نہیں ہم ساری رات سیر کر سکتے ہیں....." ہم نے جواب دیا

"مجھے ایسے لوگ پسند ہیں..... آیئے سامنے پارک میں چلتے ہیں"

واپسی کو راستہ نہ تھا اس لیے پارک کی طرف رخ کیا لیکن اللہ کی مدد شامل تھی اس کا گیٹ بند تھا۔ رات گیارہ بجے کے بعد بھلا کیوں اندر جانے کی اجازت ہوگی۔

سڑک کے کنارے ایک لیمپ کے نیچے بینچ لگی تھی پیڑا اس پر بیٹھ گئی۔ "آیئے باتیں کرتے ہیں۔" پھر وہ ہمارے ملک اور خواتین کے بارے میں گفتگو کرتی رہی..... کچھ سیاحت پر بات ہوئی اچانک ایک گاڑی نزدیک آ کر رک گئی اس میں پولیس تھی۔ عربی اور فرنچ میں کچھ کہا اور چلے گئے۔

"انہوں نے کیا کہا"..... پیڑا نے پوچھا۔ ہم کیا سمجھتے بس کہہ دیا۔

"رات کو اس جگہ بیٹھنا منع ہے..... اپنے گھر جائیں..... چلیں گھر" ہم نے پوچھا

"ہاں اب میں ہر رات آپ کے ساتھ ڈنر کے بعد ٹہلنے جاؤں گی۔"

جب واپس آ رہے تھے تب ہم نے سوچا "بزرگ اسی لیے رات کو بغیر ضرورت نکلنے کو منع کرتے ہیں۔"

فیاس میں ذاتی لنچ

فیاس کی ایک صبح خالی ملی تھی۔ خود تفریح کریں۔ عربی بولیں یا فرنچ سنیں اور انگریزی "مشق موجود" یعنی غائب انگریزوں کی زبان کا یہ المیہ ہے کہ کامن ویلتھ ملکوں سے نکلو تو "یس ۔نو" بھی مشکل سے بولا اور سنا جاتا ہے۔

جب دنیا میں غلامی کا رواج ہوا۔ طاقتور نے کمزور پر قبضہ کیا تو انگریز اور فرانس بھی دوڑے۔ جس نے جہاں مناسب سمجھا راج قائم کرلیا۔ ہم انگریزوں کے نصیب میں تھے اس لیے فرفر انگریزی بولتے ہیں۔ مراکو والوں کے مقدر فرانس والوں نے لکھے لہٰذا یہاں فرنچ زبان کا راج ہے۔

ہوٹل اسپلینڈید بازار کے کونے پر واقع ہے۔ اس لیے جب قدم بڑھایا اپنے اپنے آپ کو دکانوں کے درمیان پایا۔ جس دن ہم سیاحت کو نکلے وہ اتوار تھا۔ کچھ کھانے پینے اور فون،

فون کھیلنے کا پروگرام تھا۔ یہ بھی سوچا تھا اگر مراکو کے بارے میں کوئی انگریزی کی کتاب ملی تو مراکو والوں کی مدد کریں گے۔

ہوٹل سے نکلے تو احساس ہوا۔ آزادی حاصل کرنے کے باوجود عملی طور سے یہ علاقہ مملکت المغربیہ ہے۔ دو ایک دکانوں اور چائے خانے کے علاوہ مغربی ملکوں کی طرح اتوار کو سارا بازار بند ہے۔

ایک بینک کی عمارت دیکھی۔ نام لکھا تھا۔ "الوفا بینک" ہمیں پسند آیا۔ اس بینک میں نہ جانے وفا جمع ہوتی یا ملتی ہوگی۔ اگر خواتین کام کرتی ہوں گی تو اکاؤنٹ ہولڈر وفا کی زیادہ امید کرتے ہوں گے۔ افسوس اتوار تھا بینک بند تھا۔ ورنہ ایک نظر اندر جھانک کر سوئی "وفا" دیکھ لیتے۔ اور دعا دیتے۔

اس دن شدید گرمی تھی۔ ہمارے ریگستان کے ملک میں جون کے مہینے میں بھی گرمی نہ پڑے تو تعجب ہے۔ جو ہمیں نہیں ہوا کہ اس موسم سے آشنا ہیں۔ اس لیے لطف اندوز ہوتے رہے۔ خیال آیا امریکہ اپنی خیریت بھیج دیں۔ سڑک کے کنارے دو ایک بوتھ ملے وہ ناکارہ۔ ہم کان پر ہاتھ لگا کر راہ گیروں ۔ چائے خانے والوں سے پوچھتے وہ جو بتاتا، سمجھ میں نہ آتا۔ ایک جگہ ہوٹل کے باہر کولڈ رنگ بیتا منچلا کان کو ہاتھ لگاتے دیکھ کر ہمیں گویا سمجھا فرنچ میں گانے لگا۔ ہم بھی لطف اندوز ہوئے۔ آخر ایک شریف انسان نے عربی میں راستہ بتاتے ہوئے انگلی سے اشارہ بھی کردیا۔ یہ کافی تھا۔ ہم اس کی سیدھ میں چلتے رہے پھر ایک ریسٹورنٹ سے دوبارہ پوچھا اس کی ہدایت پر الٹے ہاتھ مڑ گئے۔ زندگی بھر اشاروں پر ناچے ہیں۔ نوجوانی میں حسن۔ جوانی میں معاشی۔ اور جو اشارہ جس نے کیا اسی سمت چل پڑے۔ اور اس لیے منزل پائی۔ آج بھی جذبہ صادق تھا۔ منزل کی لگن تھی اس لیے فون بوتھ نہیں پورا دفتر مل گیا۔ اندر گئے تو کئی کاؤنٹر ایک پر دریافت کیا تو اس نے باہر کی طرف اشارہ کیا۔ ہم سمجھے ناراض ہوکر نکال رہا ہے۔ سوچا یہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا نہیں۔ اور نہ جانے کیا گستاخی کی۔ جو زبان بولے ہوں اور اس میں جو الفاظ چنے ہوں وہ گالی ہو..... اس لیے باہر آئے تو دیکھا دفتر کے دونوں طرف فون لگے ہیں۔ یوں کہیں منزل مراد ہم نے اپنے قومی ترانے میں جتنی بار منزل مراد پڑھا سنا اس سے زیادہ منزل مراد پائی۔ اللہ کا کرم اس کی مہربانی ہے۔

اورنگ زیب قاسمی

فون کام کر رہا تھا اور ادھر کارڈ لگا کر نمبر ملایا ادھر نیویارک میں گھنٹی بجنے لگی۔ ہم مراکو سے آواز کے ذریعے نیویارک میں تھے۔ وہاں جمہوریت تھی اور ابھی تک انسانی حقوق کی پابندی کی جا رہی تھی۔

فون کے بعد کھانے کی تلاش ہوئی۔ ایک جگہ شیشے کے شوکیس میں تکے اور کباب دیکھ کر آئے تھے وہاں گئے۔ اس سے انگریزی عربی ملا کر پوچھا۔

''کیا حساب ہے......''

ایک تکہ جس میں چار بوٹیاں اور چربی کا ٹکڑا۔ دوسرے میں انگشت شہادت کے برابر کباب قیمت پانچ درہم۔ آدھے امریکی ڈالر سے بھی کم...... ہم نے پانچ شیش کباب اور پانچ تکہ کباب کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ خدارا یہ چربی کی بوٹی تو نکال دو وہ کچھ نہیں سمجھا صرف اتنا کہا

''ہذا گریس......''

ہمارے ملک میں گھی میں گریس کھانے کے ہم پرانے عادی ہیں۔ لیکن کبھی کسی نے بتایا نہیں۔ مراکو میں ہوٹل والے نے سچ بولا تو اچھا لگا...... ہم نے صرف ''نعم'' کہا ڈبل روٹی کے چند ٹکڑے ملے یہ مفت ہوتے ہیں۔ ایک چھوٹی منرل واٹر کی بوتل منگائی۔ جتنی دیر تک بوٹی اور کباب اوون میں تیار کیے گئے مالک نے پوچھا'' کہاں سے ہو......؟''

ہم نے کہا'' پاکستان'' تو حیران ہونے لگا۔ ہاتھ ملایا۔ پوچھا

''مسلم''

''نعم۔'' ہم نے جواب دیا۔ وہ خوش ہوا ہم سمجھے گلے لگائے گا لیکن صرف'' اہلاً وسہلاً مرحبا'' کہہ کر چپ ہو رہا۔

کباب اچھے تھے۔ گرم تھے۔ روٹی ذرا سخت تھی اور پانی ٹھنڈا تھا۔

تکے پرانی بھینس کے تھے۔ اسے کھایا تو دانتوں کی وہ کثرت ہوئی جو اس سے پہلے کیا ہوئی ہوگی۔ کھانا مجموعی طور سے اچھا تھا۔ بل وہی آیا جو آنا چاہیے تھا۔ پاکستانی ہونے کی وجہ سے ایک رعایت ملی۔ چاروں طرف سے ہم پر جو مکھیاں حملہ کرتی تھیں۔ وہ لک آ کر کیڑے سے اڑا دیتا۔ ایک ٹشو تکہ کباب پر لا کر رکھا مکھی نہ بیٹھنے پائے۔

مراکو کے بھائی سے مصافحہ کر کے جوس پینے کا پروگرام بنایا۔ وہاں جا کر موسمی کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کہا۔

''چھ درہم''...... ہم نے ایک گلاس پیا بے حد لذیذ۔ ذائقے دار اتنی رسیلی اور میٹھی موسمی کا رس کب پیا تھا اس لیے ایک اور منگا لیا وہ بھی میٹھا۔ اب جو رس نکالنے والے کی طرف نظر پڑی تو موسمی سے جوس نکال کر کچھ ملا رہا تھا۔ ظاہر ہے یہ شکر ہوگی۔ ہم خوش ہوئے کہ ایک قیمت میں دو مزے۔ موسمی اور شکر۔ ذرا دیر وہاں بیٹھے پھر ہوٹل کی طرف واپس آئے۔ خیال تھا ٹھنڈے کمرے میں آرام سے منہ ڈھک کر سوئیں گے۔ اندر داخل ہوئے تو استقبالیہ کے سامنے سوئمنگ پول میں منظر بڑا پرکشش تھا۔ ہم اپنا تجسس مٹانے آگے بڑھے تو کسی نے پانی میں سے ہاتھ ہلایا۔ اس کا مطلب تھا کوئی اپنے جان پہچان کی محو غسل ہے سوئمنگ پول کے سامنے شیڈ میں کرسیاں اور میزیں رکھی تھیں دو ایک لوگ بیٹھے تھے لیکن وہ بھی نہانے کے لباس میں۔ اول تو ہم ذرا سا جھجکے لیکن پھر دل سے آواز آئی۔ ''چلو''

ہم نے دیکھا یہ بیرا تھی۔ اب ہمت بندھی اور ایک کرسی پر ٹک گئے۔ ایک لمحے بعد بیرا آ گیا۔ ''یس سر''

ہم گھبرا گئے۔ سمجھے یہ ظالم کہہ رہا ہے۔ یہاں کیوں بیٹھے ہیں۔ یہ جگہ صرف غسل کرنے والوں کی ہے۔ اس لیے کچھ نہیں بولے۔ وہ پھر بولا۔

''کونسی ڈرنک......'' یہ تو آڈر لینے آیا ہے۔ ہم نے رعب سے کہا...... ''فینٹا پلیز۔'' بیرے نے ایسی نظروں سے دیکھا جو بھولنے والی نہیں۔ پریوں کے کرتب دیکھنے والا شراب نہیں فینٹا منگا رہا ہے۔ اس نے اپنی حیرانی چند لمحوں میں تبدیل کر کے کہا۔ ''یس سر'' اور چلا گیا۔ اب ہم یہاں بیٹھنے کے حقدار قرار دیے گئے۔ وہ جو چند فٹ دور نہا رہی تھیں۔ نہ جانے لباس پہنے تھیں یا نہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

بیرا فوراً فینٹا اور بل لے آیا۔ زندگی میں جتنی سست رفتاری سے فینٹا ہم نے اس دوپہر پی۔ وہ شاید پھر کبھی نہیں پئیں گے۔ ہمارے گروپ میں ہانگ کانگ کی یم یم امر ملینگ سفر کر رہی تھیں۔ لباس میں احساس بھی نہیں ہوتا تھا کچھ الگ باندھ کر رکھا ہے جو مال اچھا ہے ہم اکثر خواتین کو لباس سے پہچانتے ہیں۔ ان دونوں کو بھی شناخت نہ کر سکے۔ لیکن وہ سوئمنگ پول

سے نکل کر ہمارے سامنے کرسیوں پر آ بیٹھیں اور پوچھا۔

''فینٹا پی رہے ہیں......'' یعنی بات ہے کہ دھوپ سے ان کی آنکھیں دیکھنے کے قابل نہیں رہی تھیں ورنہ فینٹا کی بوتل دنیا بھر میں پہچانی جاتی ہے ہم نے پوچھا......'' آپ پینا پسند کرینگی......'' اس سے پہلے وہ جواب دیتیں بیرا بھی آ گیا۔ وہ شاید تاک لگا کر کھڑا ہوتا ہے کہ کوئی ادھر آ کر بیٹھے اور وہ دبوچے'' یم یم نے بیرے سے کہا

''ابھی ہم نہا رہے ہیں......'' اور پھر سوئمنگ پول کی طرف جل پری بنتے چلی گئیں۔ اب جو کرتب دکھائے تو ہم حیران رہ گئے الٹے ہوکر بیک اسٹروک اور پانی میں جمپ مچھلی کی طرح نیچے تہہ میں جانا۔ ہم پر رعب پڑ رہا تھا کہ ہانگ کانگ کو کسی سے کم نہ سمجھیں۔ ایک نظر ادھر بھی ڈالیں۔ ایرا جاپانی لڑکی تو شاید پانی کے نیچے ہی رہنا چاہتی تھی۔ ادھر سوزے بھی شوخیاں دکھا رہی تھیں۔

جب یہ جل پریاں پانی میں تیر رہی تھیں۔ ہم نے سوچا کتنا اچھا ہے ہمارے ملک کے سوئمنگ پول میں یوں سر عام رضیہ اور سلمیٰ پانی میں ڈبکیاں نہیں لگاتیں۔ لوگ لاکھ طعنہ دیں ہم مذہب سے صدیوں دور ہیں۔ لیکن دوری اس نزدیکی سے بہتر ہے جو آج یم یم۔ سوزے اور ملینگ کی ہم سے تھی۔

المملکت المغربیہ

دو لاکھ سال قبل مسیح سے مراکو کا سراغ ملتا ہے۔ بعض کا خیال ہے یہ علاقہ اس سے پہلے موجود تھا۔ اس وقت صحارا خوبصورت جنگل تھا۔ اس میں سات دریا بہتے تھے۔ گھاس کے میدان جنگلی جانور تھے۔ چھ ہزار سال قبل مسیح میں اچانک بارشیں رک گئیں دریا خشک ہوگا۔ جنگل سوکھ گئے اور سارا علاقہ صحارا ریگستان بن گیا۔

بربر کے زمانے کے بعد جو قبیلے یہاں رہتے تھے انہیں رومن نے ختم کر دیا۔ بازنطینی بادشاہوں نے حملہ کیا تو رومن دور ہوگئے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا محاورہ انہی دنوں بنا تھا۔ یا اسے جنگل کا قانون سمجھیں صرف طاقتور کو زندہ رہنے کا حق تھا۔ آج بھی یہی صوت حال ہے۔ جو مضبوط ہے وہ کمزور پر حاوی ہے۔ لاکھ اقوام متحدہ بنالیں اجلاس بلالیں لیکن وہی اگر لاٹھی ہے تو بھینس لے جاؤ۔ ورنہ صبر کرو۔

اورنگ زیب قاسمی

دنیا میں اسلام کی روشنی طلوع ہوئی تو افریقہ کے تاریک علاقے بھی جگمگا اٹھے۔ مصر روشن ہوا۔ تو اس کی کرنیں آس پاس کے علاقوں میں پھیل گئیں۔ مسلمانوں نے بازنطینی بادشاہوں کو شکست دے کر پورے علاقے میں ہرا جھنڈا لہرا دیا۔ ایک عرب حکمران موسیٰ نصیر نے اپنے کمانڈر طارق بن زیاد کے ساتھ اسپین فتح کرلیا اور فرانس میں داخل ہوگئے۔ لیکن بغداد کے خلیفہ ولید بن مالک نے عین وقت پر آگے بڑھنے سے روک دیا۔ تاریخ ٹھہر گئی۔ وقت بدلنے میں صدیاں لگتی ہیں جو لمحوں میں گزر جاتی ہیں۔ مسلمانوں کو ساڑھے سات سو سال بعد حکومت اور اسپین دونوں چھوڑنے پڑے۔ اور چالیس سال تک مراکو سے بھی بے دخل رہے۔

مولوی ادریس ایک شریف النفس اور ذہین شخصیت کے مالک تھے بنو امیہ کے شہزادے تھے۔ عباسی خلفاء سے جان بچا کر بغداد سے بھاگے اور مراکو میں پناہ لی اپنی اخلاقی بردباری اور قائدانہ صلاحیت سے کئی بربر قبیلوں سے عزت اعتبار اور اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اور بربروں کی مدد سے شمالی مراکو میں حکومت قائم کرلی یہ مراکو کی پہلی ریاست مانی جاتی ہے۔

مولوی ادریس نے فیاس کو اپنا صدر مقام بنایا۔ ان کی بڑھتی ہوئی شہرت اور طاقت سے عباس خلفاء خائف ہوگئے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک مشن بھیجا تاکہ مولوی ادریس کو قتل کردیا جائے۔ یہ مشن کامیاب ہوا۔ مولوی ادریس کو زہر دے کر مار دیا گیا۔ ان کا بیٹا چند ماہ کا تھا نگران حکومت بنائی گئی جب وہ گیارہ سال کا ہوا تو تخت پر بٹھایا گیا اس نے 26 سال حکومت کی اور مراکو مضبوط ملک بنا۔ پھر کچھ عرصے کے لیے فاطمی حکمرانوں نے مصر سے اپنا دائرہ حکومت مراکو تک بڑھایا۔ تیونس بھی ان کے قبضے میں ایک مختصر عرصے تک رہا۔

اس زمانے میں قرآن پاک پڑھانے والے ماسٹر عبداللہ بن یاسین نے بربر قبیلوں سے مل کر جنگ کی اور حکومت حاصل کرلی لیکن انہیں جلد زوال ہوگیا۔

طاقتور اور مضبوط قومیں اپنی تجارت اور مذہب پھیلانے کے لیے نئے نئے علاقے تلاش کررہی تھیں پرتگال بھی اپنے بحری جہازوں کا بیڑا لے کر نکلا اور مراکو کے ایک حصے پر قبضہ کرلیا۔ اسپین نے مسلمانوں کو شکست دی تو پیچھا کرتے ہوئے مراکو تک آئے اور جہاں جی چاہا ڈیرا ڈال لیا۔

مراکو تین بادشاہوں میں پھنسا ہوا تھا۔ ایک طرف پرتگال کا شہنشاہ دوسری طرف اسپین

کا صدی عیسائی بادشاہ اور درمیان میں بیچارہ مراکو کا بادشاہ۔ جنگ ہوئی اور فتح مراکو والوں کے مقدر میں لکھی گئی مولوی عبدالرشید نے حکومت حاصل کی اور مراکش کو صدر مقام بنایا گیا۔

فرانس نے بھی سر اٹھایا تھا۔ وہ نئی سرزمین کی تلاش میں نکلا تو اسے مراکو کا ساحلی شہر کیسا بلانکا پسند آیا اور اس نے وہاں اپنا جھنڈا لگا دیا پھر مراکو کے بادشاہ مولوی عبدالحفیظ سے نہ جانے کیا ساز بازکی اور فیاس پر بھی قبضہ کرلیا۔ اسپین نے موقع غنیمت جانا وہ بھی چڑھ دوڑا اور لارچی کا شہر پر قبضہ کرلیا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اور آخر کئی سال بعد فرانس اور مراکو کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس میں فرانس مراکو کا محافظ یا دوسرے لفظوں میں مائی باپ بن گیا۔

بادشاہ سامت کو نمائش ریاست کا حکمران رکھا۔ سارے اختیارات گورنر اور ریزیڈنٹ جنرل کو حاصل ہوگئے۔ وہی ہوا جو ہندوستان میں آخری دور میں مغل بادشاہوں کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ بھی مان لیا گیا کہ اسپین شمالی علاقے پر قابض رہے گا۔ ٹینجر کے علاقے کو بین الاقوامی قرار دیا۔ عوام چپ رہی۔ لیکن بربر قبیلے نے اس معاہدے کو ماننے سے انکار کردیا اس کی مزاحمت کی اور فرانس کے نوآبادیاتی نظام کے دائرے میں کبھی نہیں رہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد عظیم بربر رہنما عبدالکریم نے جدوجہد آزادی شروع کی اور اٹلس پہاڑوں کے علاقے سے فرانس اور پرتگال کو بھگا دیا۔ فرانس نے بربروں کو ہر ممکن طریقے سے کچلنے کی کوشش کی۔ اور صدر مقام رباط منتقل کردیا تاکہ خطرے کی صورت میں بھاگنے میں آسانی رہے۔ فرانس نے اپنی سہولت کے لیے سڑکیں۔ ریلوے کا نظام اور ایرپورٹ کو بہتر بنایا تاکہ یہاں سے خام مال با آسانی لے جاسکیں۔ دوسری جنگ عظیم میں مراکو نے اتحادیوں کا ساتھ دیا..... جنگ کے بعد مراکو میں آزادی کی تحریکیں اٹھیں۔ لیکن فرانس نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ عوام نے فرانسیسی اشیاء کا بائیکاٹ کردیا۔ ہڑتالوں ہنگاموں اور فرانسی حکمرانوں کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ اس وقت مراکو میں سلطان محمد پنجم بادشاہ تھے انہوں نے بھی قوم پرستوں سے ہمدردی کی۔ اس جرم میں سلطان محمد پنجم کو ملک بدر کردیا گیا۔ ساری قوم ایک طاقت بن گئی احتجاج شروع ہوا۔ فرانس کو زیادہ دیر قبضہ رکھنا مشکل ہوگیا۔ ادھر امریکی صدر روز ویلٹ بھی چاہتے تھے مراکو آزاد ہوجائے۔ آخر پیرس میں فیصلہ ہوا کہ سلطان محمد پنجم کو مراکو واپس بھیج دیا جائے۔ جب وہ دو سال بعد ملک آئے تو زبردست استقبال ہوا۔ اور دو سال بعد فرانس نے مراکو چھوڑنے کا فیصلہ

اورنگ زیب قاسمی

کرلیا۔ اسپین بھی روانہ ہوگیا۔ لیکن تین علاقوں سی یوٹا۔ ملیلیا اور سیدی افنی پر قبضہ رکھا۔ کچھ عرصے بعد سیدی افنی پر اسپین نے قبضہ چھوڑ دیا۔ اب اس کے پاس مراکو کے دو علاقے سی یوٹا اور سیلیا باقی ہیں جس سال سلطان محمد پنجم مراکو کے بادشاہ بنے۔ اسی سال انہوں نے ملک کے وزیراعظم کا عہدہ بھی سنبھالا لیکن افسوس 4 سال بعد انتقال کر گئے۔ یہ مراکو کے قائداعظم کہلاتے ہیں۔ قابل احترام ہیں۔ ان کا مقبرہ رباط میں سیاحوں کو فخر سے دکھایا جاتا ہے۔ جب ان کے صاحبزادے حسن دوئم تخت پر بیٹھے تو کمزور ملک اور ابتر انتظامیہ ملی۔ ان کے والد کو اتنا وقت نہیں ملا کہ وہ ملک کو مضبوط کر سکتے۔ ایک عرصے تک فرانس کمزور کرتا رہا۔ اس کے اثرات تو رہتے۔ ملک میں چند ماہرین تھے جن کی تربیت فرانس نے کی تھی۔ وہ ناکافی تھے۔ نئے بادشاہ نے نیا دستور دیا۔ جس میں بادشاہ کو اختیار تھا کہ وہ وزیراعظم اور وزیروں کو منتخب کرے اور جب چاہے نکال دے۔ ایک سال بعد پارلیمنٹ کے انتخابات ہوئے۔ اس کے چھ ماہ بعد بادشاہ سلامت نے وزیراعظم کا عہدہ ختم کر دیا۔ لوگ ان سے مطمئن نہیں تھے لہٰذا طالب علم اور مزدور جو کبھی فرانس کے لیے اٹھے تھے بادشاہ کے خلاف صف آراء ہوگئے۔ یوں سمجھیں اس گھر کو آگ لگنے لگی گھر کے چراغ سے۔

حسن دوئم نے فوراً پارلیمنٹ توڑ کر ہنگامی حالات کا نفاذ کر دیا اور خود وزیراعظم بن گئے۔ ہنگامی حالات پانچ سال تک رہے پھر اٹھا لیے گئے۔ نیا دستور بنایا گیا۔

حسن دوئم پر دو بار حملے ہوئے۔ وہ 42ویں سالگرہ منا رہے تھے تو آرمی کیڈیٹ نے محل پر حملہ کر دیا۔ اور جب بادشاہ کے پاس پہونچے تو انہوں نے قرآن کی تلاوت شروع کر دی کیڈیٹ کے لیڈر نے ہتھیار پھینک کر معافی مانگ لی۔ اسے انگریزی میں کہتے ہیں۔ "گاڈ سیو دی کنگ" خدا نے بادشاہ کو بچایا دوسری بار بادشاہ سلامت کے وزیر دفاع جنرل محمد اوفقیر نے 727 طیارے کو جس میں حسن دوہم سفر کر رہے تھے فضا میں مار گرانے کا منصوبہ بنایا۔ بادشاہ کو فضا میں ہی پتہ چل گیا۔ انہوں نے پائلٹ کو حکم دیا زمین پر اطلاع کرو بادشاہ سلامت دل کے دورے سے جہاز میں انتقال کر چکے ہیں۔ وزیر دفاع نے سنا تو شکر ادا کیا۔ خس کم جہاں پاک۔ ..... ان کے ساتھ دوسرے لوگوں کو کیوں مارا جائے اس طرح حملہ کرنے والوں کو بے وقوف بنا کر بادشاہ سلامت بحفاظت زمین پر اتر گئے۔ دوسرے سربراہان کو اس واقعے سے سبق حاصل

کرنا چاہیے اور ہو سکے تو عمل بھی۔

شاہ حسن دوئم نے اس حملے کے بعد آئین کا بڑا حصہ معطل کر دیا۔ کرنا بھی چاہیے تھا۔ پھر انتخابات ہوئے اور شاہ کے حمایتوں نے فتح حاصل کر لی کس طرح یہ بات صیغۂ راز میں رہے تو بہتر ہے۔

ایک اور بدقسمتی یہ آئی کہ قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ فیاس میں روٹی کی قیمت بڑھی تو فسادات ہوئے۔ فوجیوں نے سختی کی اور 100 آدمی مارے گئے۔

بڑی تعداد میں بائیں بازو کے رہنماؤں اور تاجروں کو گرفتار کیا۔ سزائیں ہوئیں آخر بادشاہ سلامت نے کئی سیاسی اور غیر سیاسی اصلاحات کا اعلان کیا۔

مشرق وسطی کی جنگ میں شاہ نے شرکت کی لیکن اپنے عوام کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے ذرا سا ہاتھ ہلکا رکھا۔

ملک میں پھر ہڑتالیں ۔ یونین اور انتظامیہ میں جھڑپیں ۔ حکومت کی مداخلت۔ قید جرمانے سزائیں اور پھر اصلاحات یہی سلسلہ جاری رہا۔ دستوری اصلاحات اور سہولتوں کے باوجود سلطان دوئم اپنی موت تک مطلق العنان بادشاہ رہے۔ 70 سال کی عمر میں 23 جولائی 1999 میں انتقال کیا۔ یہ عرب دنیا میں ایک اہم شخصیت تھے اس سال مشرق وسطی کے چار بڑے ستون گرے۔ اردن کے بادشاہ حسین ۔ بحرین کے شیخ عیسیٰ بن الخلیفہ اور شام کے حافظ الاسد مغربی دنیا نے چار دوست کھو دیئے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان چاروں بادشاہوں کے وارث نوجوان ہوئے۔

محمد حسن دوئم کے جنازے میں 30 ملکوں کے سربراہ آئے خصوصیت سے امریکہ کے صدر بل کلنٹن فرانس کے صدر چراک ان کے جنازے میں پیدل چل کر آخری آرام گاہ تک گئے۔

محمد حسن دوئم کے صاحبزادے محمد ششم نے اپنی 35ویں سالگرہ پر جولائی 1999 میں اقتدار سنبھالا۔ یہ بادشاہ کے ساتھ مذہبی رہنما بھی ہیں کیونکہ محمد حسن دوئم کے خاندان کا شجرہ حضرت علیؓ سے ملتا ہے۔ اپنے ملک کے وزیراعظم اور کمانڈر انچیف بھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی بڑا عہدہ نہیں ہوتا یہ اپنے باپ سے زیادہ آزاد خیال ہیں ان کے والد کے دور میں مراکو کا عام

اورنگ زیب قاسمی

باشندہ شاہ کے خلاف بات نہیں کر سکتا تھا۔ ہم نے تو گائیڈ جولین کو بھی اپنے تذکرے میں گستاخی کرتے سنا۔ یہ آزادی نہیں تو کیا ہے۔ حسن ششم سے پہلے ایک خوف کی فضا تھی جو دور ہوگئی۔ ان کے والد ہزاروں کو قید کرانے اور سینکڑوں کو ''غائب'' کرانے کے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں۔ نئے بادشاہ نے اصلاحات کا وعدہ کیا ہے۔ اور حکومت پر مضبوط قبضہ بھی جاری رکھا ہے۔ بادشاہ نے اقتدار سنبھالتے ہی سول اور ملٹری سروس کے اہم عہدوں پر اپنے اعتماد کے لوگوں کو فائز کیا ہے۔

وہ اتنا بھی نہ کرتے۔ دنیا بھر میں شاہ وقت چاہے وہ امریکہ کا صدر ہو یا سری لنکا کا وزیر اعظم۔ اپنے ہی لوگوں کو نوازتا ہے۔ اور اس بات کا اسے پورا حق حاصل ہے۔

مراکو کا سرکاری اور اصل نام المملکت المغربیہ یعنی حکومت مغرب ہے یورپ والے لاکھ شور مچاتے رہیں وہ مغربی ملک ہیں۔ مراکو نے اپنا نام ہی ریاست مغرب رکھ لیا۔ سرکاری زبان عربی ہے۔ فرانسیسی کو دوسرے درجے کی زبان کا رتبہ حاصل ہے۔ ہم المملکت المغربیہ کے سلطان محمد ششم کے لیے دعا گو ہیں۔ اور کیونکہ امریکہ کے شہر نیویارک میں رہتے ہیں تو یہ دعا ایک معنی رکھتی ہے۔

بربر گس گس

انگریزی کا فیض عربی کا فیاس اسلامی دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ایک قدیم شہر ہے اور عربوں کی سلطنت کا پہلا صدر مقام۔ شروع میں یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا لیکن اسپین سے نکالے جانے والے مسلمان جب قرطبہ شہر سے اس جگہ آ کر آباد ہوئے تو دیکھتے دیکھتے یہ ترقی کر کے مراکو اور ہسپانوی ثقافت اور تعمیرات کا حسین نمونہ بن گیا۔ بلند و بالا خوبصورت مسجدیں۔ بازار۔ پارک۔ باغات بنائے گئے جن سے یہ شہر اہمیت حاصل کر گیا تانبے کی ترے۔ مٹی کے برتنوں پر رنگ برنگے نقش و نگار۔ شہد، کیک، بکرے کے کباب بھنے ہوئے بادام اور پودینے کی چائے کے لیے گہرا نیلا فیاس مشہور ہے۔

اس شہر کے دو حصے ہیں فیاس جدید اور قدیم۔ ایک وہ حصہ جو شہر پناہ کی دیوار کے اندر ہے دوسرا باہر تعمیر کرایا گیا ہے..... ہم جدید شہر میں ٹھہرے تھے۔ اسپلینڈیڈ اپنی نوعیت کا واحد

اورنگ زیب قاسمی

ہوٹل ہے جو پرسکون سڑک پر واقع ہے۔ جس میں 70 بیڈ روم۔ بار ریسٹورنٹ۔ کرنسی بدلوانے کا انتظام اور ایک سوویزا شاپ ہے جو ہمارے سامنے اس لیے نہیں کھولی گئی کہیں غلطی سے کچھ خرید نہ لیں۔ اس ہوٹل میں دو راتوں، قیام کے بعد کوچ کی طرف روانہ ہوئے تو ہوٹل کی فٹ پاتھ پر بے شمار فوٹو رکھے تھے۔ ہم اس طرف بڑھے تو ایک صاحب نے لفافے میں تصویر پیش کی۔ کھول کر دیکھا تو دولہا دلہن کے ساتھ گروپ فوٹو تھا ہم ان کے درمیان بیٹھے تھے۔ اس سے پہلے کہ شکریہ ادا کرتے تصویر والے نے تین ڈالر کا مطالبہ کر دیا۔ یہ مناسب قیمت تھی۔ بیلے ڈانسر کے ساتھ تصویر کے مقابلے میں تین گنا کم۔ اس لیے تین ڈالر پیش کیے اور کوچ میں فوراً جا بیٹھے۔ فیاس سے روانگی تھی۔ مزید رقم دوسرے علاقوں میں لٹانی تھی۔

کوچ روانہ ہوئی تو فیاس دونوں طرف سے نکل کر یادیں بننے لگا۔ اس شہر کی سیاحت تمام ہوئی۔ جسمانی کرتب دکھانے والے اور مختصر لباس میں فن لٹانے والی عربی خواتین الفصیہ ریسٹورنٹ میں رہ گئیں۔ اب اسی ناز و ادا سے دوسرے سیاحوں کے سامنے کمال دکھا رہی ہوں گی۔ اور فوٹو گرافر کسی شریف ہم جیسے سیاح کا نشانہ لے رہا ہوگا۔ گائید جولین اسپین کا رہنے والا ہے۔ وہ مراکو کی غربت کی داستان سنا رہا تھا۔ یہ ایک غریب ملک ہے جہاں زندگی بہت مشکل ہے۔

عام آدمی کی زیادہ سے زیادہ آمدنی ۱۵۰۰ درہم ہے۔ جو امریکہ کے ۱۵۰ ڈالر ہوتے ہیں۔ استادوں کو تنخواہ ۳۰۰۰ درہم ملتی ہے۔ چھوٹے شہروں میں دو کمرے کا فلیٹ ۱۵۰ درہم کرانے پر مل جاتا ہے۔ مراکو میں زیادہ بچے پیدا کرنے کا رواج ہے۔ ہر گھر میں کم از کم پانچ بچے ہوتے ہیں ہر سال آبادی ۱۵ لاکھ بڑھ جاتی ہے۔ وسائل اپنی جگہ رہتے ہیں۔ اسکول میں عربی اور فرانسیسی میں تعلیم دی جاتی ہے لوگ پڑھائی کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ عورتوں کی تعلیم کے سخت مخالف ہیں۔ حکومت کی طرف سے عورتوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔ بڑے شہروں میں پولیس میں ہیں۔ ہوٹلوں دفتروں میں کام کر لیتی ہیں۔

بچوں کے لیے ایک سے سات سال تک عربی میں قرآنی تعلیم سات سے گیارہ سال پرائمری اور پھر گیارہ سے چودہ سال سیکنڈری تعلیم ضروری ہے۔

جی کرے تو پڑھو ورنہ ڈنڈے بجاتے پھرو کوئی روک ٹوک نہیں۔ ہم نے مراکو میں بچوں

کو اکثر کھیلتے دیکھا۔ بعض سیاحوں کے آگے ہاتھ پھیلا دیتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ تو مل ہی جاتا ہے ماں باپ بچوں کو نہ اسکول بھیجتے ہیں نہ کوئی کام سکھاتے ہیں اسکول ساڑھے آٹھ بجے سے۔ ساڑھے بارہ پھر دوپہر کے کھانے کے لیے گھر جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ ڈھائی بجے دوبارہ اسکول میں پڑھائی شروع ہوتی ہے۔ ہفتے میں چھ دن اسکول کھلتا ہے۔ پرائیوٹ اسکول اور یونیورسٹیاں بھی ہیں۔ لیکن ان میں تعلیم بہت مہنگی ہے خیر جب کوئی پڑھائی کی طرف متوجہ نہیں تو مہنگی سستی کیا؟

سرکاری اعداد و شمار کے حساب سے ملک میں ۲۵ فیصد لوگ بے روزگار ہیں۔ جولین کا خیال تھا اس سے زیادہ لوگ بے کار ہیں۔ رئیس رشتے داروں کی امداد یا پھر خیرات پر گزر بسر کرتے ہیں۔ کوئی سیکورٹی نہیں اکثر لوگ کم تنخواہ پر کسی کنٹریکٹ کے بغیر کام کرتے ہیں۔ جولین کی بیوی گریجویٹ ہے ٹورازم کا ڈپلومہ لیا ہے اور ۸۰ ڈالر ماہانہ پر کام کرتی ہے۔

کوچ خشک پہاڑوں اور میدانوں کے درمیان سے گزر رہی تھی یوں محسوس ہوتا تھا ہم بلوچستان میں سفر کر رہے ہیں۔ پانی سے ترے ہوئے کھیت، درخت، کھیتوں کی آب پاشی کے لیے نالیاں بنائی گئی ہیں جن سے پانی آتا ہے۔ ہم نے نہیں دیکھا۔ شاید کسی موسم میں ایسا ہوتا ہو۔

ایک گدھا گاڑی پر بہت سے لوگ سوار ہو کر جا رہے تھے۔ جولین نے بتایا یہ مقامی ٹرانسپورٹ ہے۔ اس علاقے میں گدھا بہت سے کام نمٹاتا ہے۔ کئی جگہ فرانس سے گرمیاں گزارنے آئے ہوئے پرندے اڑتے نظر آئے۔

جولین کا کہنا ہے۔ مراکو نوجوان کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ آبادی کا ۵۰ فیصد نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ جولین جوان تھا۔ کئی دن سے اسے دیکھ رہے تھے۔ مراکو واقعی جوان تھا۔

ایک گاؤں آیا جو فرانسیسیوں نے گرمیاں گزارنے کے لیے تعمیر کیا تھا یہ پرسکون گاؤں فرانسیسی طرز تعمیر کا نمونہ تھا۔ ہر مکان خوبصورت درختوں سے گھرا تھا۔ خشک میدانوں کے درمیان ذرا سی بلندی پر یہ اچھا لگ رہا تھا۔ گاؤں میں داخل ہونے سے پہلے پولیس سڑک پر کھڑی گاڑیوں کو چیک کر رہی تھی۔ ہر علاقے میں آنے جانے پر پولیس کی دیکھ بھال حفاظتی نقطہ نظر سے ہے۔ ملک میں بادشاہت ہے۔

اورنگ زیب قاسمی

اِدھر اُدھر سفر کرنے والوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے۔ جو بادشاہ بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ایک اور بھی خطرہ ہوتا ہے۔ برابر میں اسپین ہے وہاں سے منشیات آتی رہتی ہیں ان کی جانچ پڑتال بھی ضروری ہے نشہ آور اشیاء لانے والے یقیناً اتنے بے وقوف ہوں گے کہ سڑک کے راستے لاتے ہوں گے اور مراکو کی ہوشیار پولیس پکڑ لیتی ہوگی۔

یہ اوک اور پائن کے درخت ہیں بعض بہت اونچے اور پرانے ہیں۔ کھیتوں کے باہر اکثر لوگ شہد اور زیتون کا تیل فروخت کر رہے تھے۔

ایک بڑی عمارت نظر آئی۔ جولین نے بتایا یہ یونیورسٹی ہے۔ جو سعودی عرب نے خلیجی جنگ میں مراکو کی امداد سے خوش ہوکر تحفتاً بنا کر دی ہے۔ اس قسم کا تحفہ پہلی بار دیکھا۔ جب یہ عمارت پاس آ کر دور ہوئی تب بھی پلٹ کر دیکھتے رہے۔ ہمارے ملک کو چاہیے تحفے میں اس قسم کی عمارتیں بنوا لیا کرتے۔ فرانسیسیوں نے اپنے فوجیوں کے لیے ایک شعبہ افرین بنایا تھا۔

پہلے رنگ کی خوبصورت عمارتیں جن کی چھتیں گلابی رنگ کی تھیں ہر طرف پام کے درخت لگے تھے۔ سرسبز گھاس اور درمیان میں پارک، ہم جس ریسٹورنٹ میں گئے وہ ایک کافی شاپ تھی۔ اس کا مالک امریکی تھا۔ اس لیے صاف ستھرا تھا۔ مختلف رنگوں اور ذائقے کی آئس کریم فروخت ہو رہی تھی۔ صبح کا ناشتہ کیے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ لیکن سیاحوں کو ہر کافی شاپ میں کچھ نہ کچھ کھانے کی عادت ہوتی ہے۔ کافی شاپ والا اس سے خوش ہوا ہوگا۔

اس جگہ ہوٹل، ہینک ریسٹورنٹ تھے اور درجنوں لوگ بھی جو سیاحوں پر حملہ کر رہے تھے ان کا اصرار تھا پتھروں سے بنی چھوٹی چھوٹی اشیاء اور شاہی انداز کے خنجر خرید لیے جائیں۔ اگر غلطی سے کوئی سیاح چند لمحے ان کے پاس رک جاتا تو جان چھڑانی مشکل ہوجاتی۔ ہم پر بھی حملہ ہوا۔ لیکن سب کو مایوسی کے سوا کچھ نہ ملا۔ جو خرید لیتے کسے مارتے، زندگی بھر دوسروں کی نگاہوں کے تیر کمان اور خنجروں سے گھائل ہوئے ہیں۔ سیاح تازہ دم ہوئے تو سفر پھر شروع ہوا۔ افرین سے باہر نکلے تو باغ میں گھاس پر ایک بڑا پتھر کا بنا ہوا شیر بیٹھا تھا۔ جولین نے بتایا یہ آخری شیر تھا جسے جنگل میں مار دیا گیا۔ اسی کی یاد میں یہ مجسمہ بنایا گیا ہے۔ اب اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ یہ الگ بات ہے یہ شیر بھی کسی کو نہیں مار سکتا۔ اسے دیکھ کر ایک ہی مصرعہ ذہن میں آیا۔

؎ یہ الگ بات ہے دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

ایک ہرا بھرا پارک دیکھا۔ یہ شاہی پارک کہلاتا ہے۔ مراکو کے بادشاہوں کو گولف کھیلنے کا شوق ہے۔ ہر جگہ اس کھیل کے لیے میدان بنائے گئے ہیں اس طرح کے پارک کئی شہروں میں دیکھنے کو ملے۔ اسی بہانے ہریالی تو دیکھی۔

ہم اس خطے میں سفر کر رہے تھے جو اٹلس پہاڑ کے برف کی وجہ سے ہرا بھرا تھا۔ وہاں جنگل تھے۔ جن میں بعض درخت ۲۰۰ فٹ تک بلند تھے۔ ان کی عمر سو سال تک ہوتی ہے۔ عمارتیں بنانے کے لیے بہترین لکڑی ہے۔ جنگل میں بربر بندر پائے جاتے تھے۔ ابھی تک ہم انسانوں کے بارے میں سنتے آئے تھے۔ اب جانوروں کی نسل میں بھی بربر کا ذکر سنا۔ اس قسم کے بندر جبرالٹر میں بھی ملتے ہیں۔ پہاڑوں اور چٹانوں کے ماہرین کا کہنا ہے کہ اس جنگل اور جبرالٹر کے درمیان کوئی سرنگ ہے جس کے ذریعے بندر اِدھر سے اُدھر جاتے ہیں۔

خدا کرے یہ بات مراکو کے عام آدمی کو معلوم نہ ہو پھر وہ اس راستے سے اسپین میں جانے کی کوشش کریں گے۔ یہ ساری گپ ہے ورنہ اب تک مراکو کے بہت سے لوگ اس سرنگ کا پتہ چلا کر جبرالٹر پہنچ چکے ہوتے۔ اس جنگل میں چیتے اور تیندوے پائے جاتے ہیں۔ خوبصورت چڑیاں اڑتی پھرتی ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف سبزہ ہے اس میں بھیڑیں چرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس علاقے میں نومبر سے جنوری تک شدید برف باری ہوتی ہے۔ ہم جون کے مہینے میں پہنچے اس لیے برف سبزے کی شکل اختیار کیے ہوئے تھا۔ بربر قبیلہ برف باری کے موسم میں پہاڑوں میں رہتا ہے اور گرمیاں آتے ہی میدانوں میں اتر آتا ہے۔ یہ زمین کھود کر ٹیوب ویل سے پانی حاصل کرتے اور فصلیں اگاتے ہیں۔ اکثر خیموں میں رہتے ہیں بعض مٹی کے مکانات بھی بناتے ہیں۔ ان کی زندگی کا یہی انداز ہے۔ بربر قبیلہ مراکو کی آبادی کا ۴۵ فیصد ہے۔ یہ سرکاری اور دوسرے محکموں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ موجودہ عرب بادشاہوں کے تین سو سال سے فرماں بردار ہیں اس لیے کہ مراکو کے عرب بادشاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ بربر ایک جنگجو قبیلہ ہے۔

ایک جگہ کوچ رکی۔ نیچے وادی تھی۔ جہاں بربر قوم کے خیمے لگے تھے۔ ایک عورت سڑک پر اپنے بچے کو کمر سے باندھے آ گئی۔ سیاح تصویریں اتارنے لگے وہ ہاتھ پھیلا کر درہم لینے

اورنگ زیب قاسمی

لگی۔ اسپین پر ساڑھے سات سو سال حکومت کرنیوالوں کی اولادیں غیروں کے آگے بھیک مانگ رہی ہیں۔ ہم سے یہ منظر دیکھا نہ گیا اس لیے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

ہماری کوچ اٹلس پہاڑ کی طرف جارہی تھی۔ ہری بھری وادی سے دوبارہ خشک میدان شروع ہوگیا۔ اس جگہ خطرناک سانپ ہوتے ہیں۔ ان میں ایک قسم کوبرا بھی ہوتا ہے۔ اچانک زمین گلابی ہوگئی۔ یہ ٹائیل اور اینٹیں بنانے کے کام آتی ہے۔ ایک اینٹیں بنانے کا کارخانہ بھی نظر آیا۔ ایسی خوبصورت زمین کہاں دیکھنے کو ملی۔

ایک علاقہ زیدا آیا۔ یہ وادی طوفان کی زد میں رہتی ہے۔ تیز ہوائیں سب کچھ اڑا کر لے جاتی ہیں۔ مکانات کی چھتیں، درخت، کھیت اڑ جاتے ہیں برباد ہوجاتے ہیں۔ لوگ پھر بھی رہتے ہیں یہاں ہر پیر کو مارکیٹ لگتی ہے۔

جس دن ہم پہنچے وہ پیر کا دن تھا۔ ایک بازار خیموں میں لگا تھا۔ لوگوں سے زیادہ گدھے نظر آرہے تھے۔ انسان اور سامان کو ڈھونے کا سارا بوجھ یہی اٹھاتے ہیں۔ دیہاتی علاقوں میں معاشی پہیہ انہی کی بدولت گھومتا ہے۔

مراکو کا سب سے بڑا دریا مولویا آیا جو خشک ہو رہا تھا۔ اس کے بعد خشک پہاڑوں کا سلسلہ ایک اونچے پہاڑ پر لکھا تھا۔

''اللہ الوطن الملک''

جولین نے بتایا اس کا مطلب ہے اللہ زمین کا اصل بادشاہ ہے اور مراکو کا یہی قول ہے۔

''بے شک میرا رب ہر زمین اور آسمان کا مالک ہے۔''

بربر جمعہ کی نماز کے بعد کس کس کھاتے ہیں۔ یہ ان کا پسندیدہ کھانا ہے جولین نے جس طرح لذت لے کر بیان کیا۔ سیاح کھانے پر تیار ہوگئے۔ ہمیں اندازہ تھا ساری لذت اور ذائقہ تذکرے میں ہے۔ جس طرح عمدہ کھانے ہوٹل کے بورڈ تک ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم بربر کس کس کھانے پر آمادہ نہ ہوئے۔

ایک قصبہ ازما آیا تو جولین نے دکھایا۔ مکانوں کی پشت پر ایک گرجا تھا۔ سیاح حیران ہو ہو کر دیکھنے لگے جیسے کبھی گرجا دیکھا نہ ہو۔ یہ پرانے زمانے کا تھا اب بند ہے۔ یہاں عیسائی آبادی نہیں ہے۔

مراکو کی سرزمین پر گرجا ہمیں بھی عجیب لگا۔ لیکن ہم حیران ہونے کے لیے ہی سفر کرتے ہیں ایک اور دیہات مڈلیٹ آیا۔ جہاں قصبہ ہوٹل تھا۔ اندر داخل ہوئے تو ایک میدان درمیان میں رنگین فوارہ اندر کمرے میں صوفے لگے تھے۔ جس پر بیٹھنے سے زیادہ لیٹا جاسکتا تھا۔ سوزے تو لیٹ گئی۔ جس صوفے پر بیٹھے اس پر راہن اور اینا بھی آبیٹھے بیرے نے ان سے پوچھا تو بربر کس کس کا آڈر دیا۔ ہم نے ٹراوٹ مچھلی منگوالی۔

بیٹا سوئے کی جون نے پوچھا..... ''آپ کیا منگوا رہے ہیں۔''

ہم نے بتایا تو اس نے کہا'' بربر کس کس کھانا چاہیے.....''

ہمارے لیے فش آئی اور باقی لوگوں کے لیے بربر کس کس اور دونوں ہی مایوس ہوئے۔ مچھلی اس زمانے کی تھی جب فرانسیسی حکومت کرتے تھے اور بربر کس کس جو سبزیوں کا ملغوبہ تھا وہ کھانے کے قابل نہیں تھا۔ لیکن سب نے'' زمی خرم'' اپنا سمجھ کر کھایا اور منرل واٹر کا بخار لگایا۔

کھانے کے بعد ہانگ کانگ کی یم یم اور ملینگ بھی صوفوں پر دراز ہوگئیں۔ صرف ایرا ادھر ادھر گھومتی رہی۔ ہمیں ہوٹل کی عمارت پسند آئی۔ ایرا نے ہماری کئی تصویریں بنائیں۔ پیڑا گرمی سے بچنے کے لیے پھولوں سے بھرا ہیٹ لگائے ادھر ادھر پھول برساتی پھر رہی تھی۔

جولین جب اپنے حصے کا کھانا، چائے اور سگریٹ پی چکا تو روانگی کا اعلان ہوا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اکثر سیاح اونگھنے لگے۔

جولین مراکو کے بارے میں اطلاعات دے رہا تھا۔ ٹی وی کے دو چینل ہیں بعض وقت مغرب کے پروگرام بھی نظر آجاتے ہیں۔ ڈش ۱۵۰ درہم میں لگائی جاتی ہے۔ ہر ماہ ۱۰ درہم جو ہمارے خیال میں تو یہ سستا ہے۔ پیٹرول نو اور ڈیزل چھ درہم لیٹر آتا ہے۔

ایک قصبہ آیا۔ اس کا نام الرشید ہے۔ یہ فرانسیسیوں کا ملٹری علاقہ تھا اب بھی یہاں فوج رہتی ہے لیکن مراکو کی الجزائر سے ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ آپس میں مراسم بے حد خراب ہیں۔

ایک صحرا ہے جو کئی ملکوں سے ہوتا ہوا مراکو اور الجزائر میں آتا ہے۔ یہ اسپین میں بھی ہے۔ مراکو کے حصے پر بھی اسپین نے قبضہ کرلیا تھا۔ ۱۹۷۵ء میں ۳۵۰۰۰ لوگوں نے ہاتھ میں ہرے جھنڈے لے کر نہتے صحرا پر دھاوا بول دیا۔ یہ پرامن مارچ تھا۔ اقوام متحدہ نے مداخلت

اورنگ زیب قاسمی

کی اور مراکو کا صحرا اسپین سے لے کر دے دیا گیا۔ اسے ہرا انقلاب کہتے ہیں۔ سو درہم کے نوٹ کی پشت پر اس کی تصویر بنی ہے۔ سیاحوں کو یاد دلانے کے لیے۔ ہم جب سو درہم کا نوٹ خرچ کرتے ایک نظر ضرور دیکھ لیتے۔ ہمارا خیال ہے دنیا کے جھگڑے نمٹانے کے لیے یہ طریقہ زیادہ اچھا ہے۔ پرامن مارچ اور مسئلہ حل۔

مراکو میں رات

ایرفاوند کے قصبہ تزیکی میں قیام و طعام کرنا تھا۔ اس کا دروازہ دیکھا تو سمجھ میں نہیں آیا۔ کوچ اندر کیسے جائے گی۔ ڈرائیور محمد نے کمال کر دیا۔ اس طرح لے گیا جیسے سوئی میں دھاگہ پروتے ہیں کیا خبر پہلے درزی رہا ہو۔ اندر ریت کا میدان تھا۔ نہ جانے اندر داخل ہونے کے لیے راستہ اتنا تنگ کیوں رکھا گیا ہے۔ ہم ڈرائیور ہوتے کوچ اور دیوار دونوں کو نقصان پہنچاتے۔ اسی لیے ڈرائیور نہیں اندر بیٹھنے والے مسافر ہیں پارکنگ کی جگہ بڑی تھی۔

کوچ سے اترے تو سامنے نیلے رنگ کی سیڑھیاں تھیں۔ اس کے بعد بائیں طرف نیلے پانی سے بھرا سوئمنگ پول اور دائیں ہاتھ پر پام کے درخت ان کے درمیان نیلے رنگ کا کئی منزلہ فوارہ چاروں طرف راستہ، ایک سمت تاریک کاریڈور، اس سے زیادہ اندھیرا استقبالیہ میں جہاں دن میں خاتون اور رات کو مرد حضرات بیٹھتے تھے۔ اگر یہ انتظام الٹا ہوتا تب بھی ہمیں کیا

اورنگ زیب قاسمی

فرق پڑتا۔ لیکن ایرفاونڈ والوں کی احتیاط اپنی جگہ، ہوٹل میں آنے والا ہر شخص ہم جیسا تو نہیں ہوتا حسن کو احتیاط لازم ہے۔

حسب قاعدہ ہر ایک کو چابیاں جولین نے تقسیم کیں۔ ایک ہمارے حصے میں آئی۔ دوسرے سیاحوں کے ساتھ ایک سمت چلے دو سیڑھیاں چڑھ کر اور دو اتر کر ایک راستہ آیا۔ درمیان میں نیلے چھوٹے ٹائلوں کا فرنگا، دو چار پھولوں کے گملے، ہمارا کمرہ اوپر کی منزل پر تھا، ایک زینہ پھر ذرا سا راستہ اور دوسرا زینہ، پہلی منزل پر چاروں طرف کمرے نیچے نیلے رنگ کا فوارہ، ہمارے دائیں طرف یم یم اور میلنگ، بائیں طرف ایرا، اس کے برابر سوزے اور سہائے میں پیڑا۔

کمرہ کھولا تو ہر طرف نیلے رنگ کا استعمال دیکھا۔ اوپر جو شیڈلیڈ لیمپ لگا تھا۔ وہ نیلا اور اس میں جو بلب تھا۔ اس کی روشنی چھن چھن کر باہر نکلنے کی کوشش میں ناکام ہو رہی تھی۔ دو بیڈ تھے جن کے سرہانے لیمپ تھے وہ شاید اونٹ کی کھال کے بنے تھے۔ اسے روشن کرنے کی کوشش کی تو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ایئر کنڈیشن نے بھی تعاون نہیں کیا۔ کمرہ بند تھا۔ اس کے اوپر چھت تھی۔ جو دھوپ میں گرم ہو رہی تھی۔ کیوں کہ اس کے اوپر کوئی منزل نہیں تھی۔ ہم نے میز پر رکھے فون کو اٹھا کر دیکھا اس میں کوئی آواز نہیں تھی۔

ایرا اسی لمحے ہمارے کمرے میں آئی۔

"میرا فون کام نہیں کر رہا....."

پیڑا اپنے کمرے کے باہر آ کر چلائی.....

"ایئر کنڈیشن آن نہیں ہوتا....."

یم یم اور ملینگ کو شکایت تھی ان کے کمرے میں لائٹ نہیں ہے۔ سوزے بڑبڑا رہی تھی۔ "کمرہ بے حد گرم ہے....."

ہنگامی حالات کا اعلان ہو گیا۔ استقبالیہ والوں نے بجلی ٹھیک کرنے، ایئر کنڈیشن چلانے والے کو بھیجا۔ جب معلوم ہوا اس ہوٹل میں آنے والا ہمارا گروپ پہلا ہے۔ ہوٹل کی انتظامیہ کو ان پریشانیوں کا علم نہیں تھا۔ لائٹ میں پاور کم تھی۔ ایک ساتھ روشنی اور ایئر کنڈیشن نے گڑبڑ کر دی ہے۔

ہمارے کمرے کا ایئر کنڈیشن کام نہیں کر رہا تھا۔ بجلی والے کو پہلے ایرا لے گئی۔ پھر سوزے نے پکڑا، آخر میں یم یم نے دبوچ لیا۔ وہاں سے فارغ ہوا تو ہمارا ایئر کنڈیشن چلایا۔ لیکن اس میں ٹھنڈک نام کو نہیں تھی۔

دوپہر گرم تھی۔ کمرے میں ریفریجریٹر نہیں تھا۔ ٹھنڈا پانی کیسے ملتا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ سر پر اور گرم رات کیسے گزاریں گے۔ بایکن ان چیزوں سے لاتعلق تھا۔ اس نے ایک بستر پر اپنا بیگ رکھا اور چلا گیا۔ اس کی ہر ممکن کوشش ہوتی تھی۔ فوراً عورتوں میں جا گھسے اور کیوں کہ ہم خاتون نہیں تھے اس لیے سفر کے دوران ہمارا آمنا سامنا کم ہی رہا۔ اچھا ہوا۔

ذرا دیر بعد آوازیں بند ہوئیں ہم نے کمرے سے نکل کر دیکھا تو ایرا انتہائی مختصر مختصر لباس میں کمرے سے جا رہی تھی۔ تب احساس ہوا سوئمنگ پول میں گرمی دور کر رہے ہیں اور ہم اکیلے رہ گئے۔ اس لیے دروازہ بند کر کے استقبالیہ گئے۔ وہاں جو خاتون بیٹھی تھیں انہیں عربی اور فرنچ کے علاوہ کچھ نہیں آتا تھا۔ ہمیں دیکھ کر ایک صاحب کو بلا لائیں۔ ہم نے انہیں سلام کیا اور بتایا مسلمان ہیں۔ پاکستان سے آئے ہیں پورے کپڑے پہننے اور گرمی منانے کے لیے ایئر کنڈیشن استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ مدد چاہیے۔ اس گفتگو کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ان صاحب نے بجلی ٹھیک کرنے والے کو بلایا اور کچھ سمجھایا۔ اس نے مسکرا کر پوچھا "مسلم" ہم نے سر ہلا دیا۔

وہ ہمیں لے کر زینہ چڑھ کر اوپر گیا کونے کا کمرہ کھول کر دکھایا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بتایا "یہ کمرہ سب سے زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔" اس میں لائٹ بھی تھی۔ ہم خوش ہو گئے۔ مسلمان ہونے کا بڑا فائدہ ہوا وہ بھاگ کر گیا۔ ہمارا سامان اٹھا لایا۔ ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

ہوٹل قصبہ تزیی میں ۳۴ کمرے تھے اور ہر کمرہ نیلے رنگ کی اشیاء سے سجایا گیا تھا۔ یہ رنگ آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا تھا۔ نئی امید اور خوشی مہیا کرتا ہے۔ آسمان بھی نیلا ہے اور سمندر کا پانی بھی یہی رنگ پیش کرتا ہے۔ ہمارے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی اس جگہ کس نے کیا امید رکھیں۔ قصبہ تزیی کو مصری انداز سے سجایا گیا تھا۔ کمرے میں دیوار سے بلب لگا تھا اس پر جو کھال کا شیڈ تھا۔ وہاں ایسی زبان لکھی تھی جو ہم نے اہرام میں دیکھی تھی۔ کمروں کی روشنی اس

درجہ مدہم تھی کہ دوسرا آدمی دھبے کی طرح نظر آتا تھا۔ باتھ روم میں اتنا بڑا بلب لگا تھا جیسے فلم بن رہی ہو۔ کیا خبر رہی ہو۔ بڑے شیشے کے نیچے تانبے کا نل اور تانبے کا بیسن تھا اوپر نیلے رنگ کے ٹائیل، استقبالیہ کے آگے، راستوں میں، زینے میں پرانے برتن یعنی صراحیاں، پرانے زمانے کے غالباً فرعون کے قالین اور کئی رنگ کے بڑے بڑے صندوق رکھے تھے۔ نہ جانے ان میں کیا تھا۔ دیواروں پر نہ سمجھ میں آنے والی تصویریں تھیں۔

ہوٹل میں شام ہوتے ہی اندھیرا چھا گیا اور ایک پراسرار ماحول ہر کونے میں نظر آنے لگا۔ اس طرح سیاحوں کو خوفزدہ کرنے کی پوری کوشش کی گئی تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ استقبالیہ کے سامنے جو نیلا فوارہ لگا تھا۔ اس کے اوپر ایک بلب روشن ہوا تو وہ بھی روشنی سے زیادہ اندھیرا پھیلا رہا تھا سوئمنگ پول کے برابر ایک کاؤنٹر بنا تھا اپنی پسند کی شراب خرید کر پی جا سکتی تھی۔ سارے سیاح ہی پی رہے تھے۔ ہم ایک اکیلی میز پر بیٹھے تو سوزے آ گئی۔

''میں بیٹھ سکتی ہوں......''

''او وہ یقیناً خوشی سے......''

''شکریہ۔ آپ کے لیے کچھ لاؤں......''

''نہیں شکریہ۔ ہم ڈنر لیں گے......''

''آپ کو ہوٹل کیسا لگا......'' سوزے نے پوچھا۔

''اچھا ہے......''

''مجھے پسند ہے۔ اس کا سوئمنگ پول بہترین ہے......''

ایرا بھی آ گئی...... ابھی وہ نہانے کے لباس میں تھی اور ہاتھ میں گلاس تھا۔ سوزے نے اپنی ڈرنک ختم کی اور ڈنر کے لیے تیار ہونے چلی گئی۔ ایرا گلاس سے کھیلتی رہی۔ ہمیں دیکھتی رہی اور ہم پام کے درختوں کو دیکھتے رہے جو اندھیرے میں سر جھکائے کھڑے تھے۔ شاید سیاحوں کو دیکھ کر قصبہ تزینی والے ہوشیار تھے۔ ہوٹل میں لائٹ کم تھی انہوں نے سوئمنگ پول کے پاس موم بتی ڈنر رکھ دیا یہ ایک نئی چیز بھی ہوگئی اور لائٹ بھی بچ گئی۔ میزوں کے دونوں طرف کرسیوں پر سب بیٹھ گئے بیچ میں سیاہ اسٹینڈ پر سفید موم بتیاں جلا دی گئیں۔ پہلے بیروں نے آ کر ڈرنک کا آرڈر لیا۔ ہم نے منرل واٹر کی بوتل منگائی۔

ذرا دیر بعد بیرے سیاحوں کو دکھا کر بوتلیں کھولنے لگے۔ یہ نوجوان مراکو کے مسلمان تھے۔ جو شراب نہیں پیتے اسی قصبے میں رہتے تھے۔ بہت کم تنخواہ پر کام کرتے ہیں۔ سیاحوں کی خوشنودی کے لیے شراب کی بوتلیں کھول رہے تھے۔ گلاس میں انڈیل رہے تھے۔ ادب سے جھک کر بات کر رہے تھے۔ اندھیرے میں ان کے چہرے کے تاثرات تو دکھائی نہیں دیے۔ لیکن میز کے درمیان سیاہ اسٹینڈ پر رکھی موم بتی سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ دور دراز سے آئے ہوئے سیاح مراکو کی سرزمین پر غیر ملکی سکے خرچ کر رہے تھے۔ زور زور سے ہنس رہے تھے قہقہے لگا رہے تھے اور مراکو کی زمین پر رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔

جادونگری

ڈنر کے بعد کمرے میں جانے کی جلدی نہیں تھی۔ اس لیے اندھیری سیڑھیوں پر بیٹھ کر نیلے آسمان پر ڈھلتا چاند دیکھتے رہے۔ پھر خیال آیا ایک کپ کافی پی جائے یہ سوچ کر ریسٹورنٹ کی طرف گئے۔ وہ بند ہو چکا تھا۔ صرف شراب خانہ کھلا تھا وہاں سے کولڈ ڈرنک لے کر ایک میز کے پاس جا بیٹھے۔

ہمارے ساتھی سیاح اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔ پیڑا نزدیک سے گزری شاید رات کی چہل قدمی کے لیے ہماری ضرورت نہیں تھی اندھیرا تھا دیکھا نہیں ہوگا۔ لیکن ایرا نے تو دور سے ہیلو کیا تھا سوزے نے بار کاؤنٹر سے ہاتھ ہلایا تھا۔ پیڑا کی آنکھیں کمزور ہوں گی۔ اُس جگہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی ہوگی۔ انسان کی ضرورت بدلتی رہتی ہے۔

باکن استقبالیہ پر زور زور سے بول رہا تھا "کمرہ تبدیل کیا تھا تو مجھے بتایا کیوں نہیں

میں اپنے کمرے میں گیا تو وہاں مسٹر اور مسز رابن تھے" ایک صاحب معذرت کر رہے تھے "آپ کو ہر جگہ تلاش کیا ملے نہیں....."

باکن کمرے میں جانے کے بجائے سوئمنگ پول کی طرف چلا گیا۔ شاید کوئی بچی کچی عورت ہو۔ دن کی گرمی کم ہو رہی تھی۔

ذرا دیر بعد ہم اپنے کمرے کی طرف روانہ ہوئے ..... جس راستہ پر جا رہے تھے وہ تاریک تھا۔ اس لیے احتیاط سے چل رہے تھے۔ ایک جگہ سیڑھیاں، چند قدم بعد پھر سیڑھیاں نیچے اُتر رہی تھیں۔ اگر اوپر چڑھانا تھا تو اتارا کیوں؟ لیکن تعمیرات میں سیڑھیاں بھی نمونہ کہلاتی ہیں۔ اب راستہ صاف تھا۔ سیدھے ہاتھ پر وہ سیڑھیاں تھیں جن پر چڑھ کر ہمارا کمرہ آتا ہے۔ جب اُتر رہے تھے خیال نہیں رہا کہ واپسی میں مکمل اندھیرا ملے گا۔ احتیاط کے باوجود ایک ٹھوکر لگی۔ ہم ہوشیار تھے اس لیے سنبھل گئے۔ ایک چوڑی سیڑھی کے بعد زینہ شروع ہونا تھا۔ اس کی سیڑھیاں مختلف ڈیزائن کی تھیں۔ دن میں اچھی لگتی ہوں گی۔ لیکن اندھیرے میں پہلی بار چڑھ رہے ہوں تو انجینئر کے لیے کچھ اچھے لفظ استعمال نہیں کیے جا سکتے۔ پاؤں سے ٹٹول کر پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔ ذرا سا آگے بڑھے تو الٹے ہاتھ میں ریلنگ آ گئی۔ خدا کا شکر ادا کیا اس کے سہارے اُوپر چڑھ جائیں گے۔

دس بارہ سیڑھیوں کے بعد ایک چوڑی سیڑھی آئی۔ ہم سمجھ گئے یہ جو زمینوں کے درمیان جگہ بنائی ہے۔ تاکہ ذرا دم لے کر پوری توانائی سے دوبارہ منزل کی راہ لیں۔ ٹٹول کر ریلنگ تلاش کی۔ پہلی سیڑھی پر قدم رکھا اور خدا نے آخری سیڑھی تک پہنچایا۔ اب جو نظر پڑی تو بائیں طرف ایک ریلنگ بنی ہے۔ یا اللہ یہ ہم کہاں آ گئے جب نیچے گئے تھے تو دو زینے اور دو ریلنگ تھی۔ یہ تیسری کہاں سے آ گئی شاید غلط جگہ آ گئے۔ واپسی کیسے ہوگی۔ ایک یہ احساس بھی ہوا کہ ہوٹل والوں نے جو اِدھر اُدھر جادوئی ماحول بنا رکھا ہے۔ اس کی وجہ سے ایک منزل اور آ گئی۔ یہ سراسر دھوکا ہے کسی بھی لمحے کوئی چڑیل یا بھوت حملہ کر دے گا۔ نیچے جا نہیں سکتے۔ اندھیرے میں مشکل سے اوپر آئے ہیں۔ صدق دل سے دعا مانگ رہے تھے کہ کوئی سیاح آ جائے کہیں سے روشنی کی لکیر جھلملائے۔ اپنے آپ پر غصہ آنے لگا گھر سے چلتے وقت ایک ٹارچ لاتے لاتے رہ گئے۔ ورنہ یہ لمحہ دیکھنے کو نہ ملتا۔

اورنگ زیب قاسمی

اچانک کوئی ہم سے ٹکرایا اور ایک زنانی چیخ سنائی دی۔ ہماری تو آواز بند ہوگئی۔ یہ کوئی روح ہے.....

''کون''..... اس نے لرزتی آواز سے کہا

ہم کیا جواب دیتے۔ اتنے میں اسی آواز نے چیخ کر پوچھا.....

''یہاں کون ہے.....؟''

ہمارے ہوش بحال ہوئے۔ یہ شاید ہمارے ساتھ کی کوئی سیاح ہے۔

''ہم عباسی ہیں.....''

''اوہ مائی گاڈ اندھیرے میں کیا کر رہے ہیں..... میں تو ڈر گئی تھی.....''

اس بیہودہ سوال کا کیا جواب ہوتا۔ ہم نے کہا۔

''بس یوں ہی کھڑے ہیں لوگوں کو ڈرانے کے لیے۔''

''یہ تو اچھی بات نہیں ہے..... پلیز مجھے بتایئے زینہ کس طرف ہے۔''

''پہلے یہ بتایئے۔ یہ ایک اور زینہ کہاں سے آ گیا۔''

''کون سا''

''وہ ریلنگ''..... ہم نے کہا

وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ ''یہ تو پہنچنے والی ریلنگ کا سایہ ہے دیوار پر''

''ارے'' ہمارے منہ سے نکلا۔ ''لیکن روشنی کہاں ہے.....''

''وہ دور جس سے سایہ دیوار پر آ رہا ہے.....''

''شکریہ۔ آپ دائیں طرف آ کر ریلنگ پکڑ لیں اور نیچے اتر جائیں لیکن آپ ہیں کون.....''

''آپ پہچانے نہیں..... یم یم.....''

''اوہ۔'' ہم نے اس طرح کہا جیسے اندھیرے میں ہی یم یم سے ملتے رہے ہیں اور آج جان بوجھ کر پہچان نہیں رہے۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے ریلنگ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ دیوار تھی اور دور بلب کی روشنی اس پر سیدھی پڑ رہی تھی۔ ہم دیوار کے سہارے آگے بڑھے۔ کمرہ الٹے ہاتھ پر آخری تھا۔ ٹٹولتے اس طرف گئے۔ چابی تالے میں نہیں جا رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا

آج شام جتنے لوگوں نے شراب پی ہے اس کا نشہ ہمیں ہوگیا ہے۔ بعد کو معلوم ہوا ہم چابی غلط طرف سے تالے میں ڈال رہے تھے۔ خدا نے مدد کی اور دروازہ کھل گیا۔ کمرے کی روشنی جلائی تو ایسا محسوس ہوا جیسے دوبارہ زندگی مل گئی۔ ابھی بستر پر لیٹے ہی تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہم سمجھے بابکن ہوگا۔

آنے والے نے کہا ''آئی ایم سوری..... آپ کی مدد چاہیے.....''

وہ ایرا تھی.....

''کیا۔ کہو.....'' ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔

میرے کمرے کا تالا نہیں کھل رہا۔''

ہم اس کے ساتھ چلے..... چابی ہر ممکن طرح تالے میں ڈالی اور وہ کھل کر نہ دیا۔

جب ہم مایوس ہوگئے۔ اچانک خیال آیا۔ ہم نے پوچھا تمہارے کمرے کا نمبر کیا ہے؟''

''۲۲۴''..... وہ بولی۔

پھر کیوں نہیں کھلتا..... ''تم ایک منٹ ٹھہرو.....'' ہم اپنے کمرے میں آئے اور چابی دیکھی تو اس پر لکھا تھا ۲۲۳۔ ہم نے وہیں سے آواز لگائی ''ایرا ادھر آؤ''..... جب وہ آئی تو ہم نے چابی دکھائی یہ ۲۲۳ کی ہے اور تمہارا کمرہ ہے..... ۲۲۴..... استقبالیہ جاؤ اور چابی بدل کر لاؤ۔

''اونو.....'' اس نے مایوسی سے کہا۔

''آپ کے پاس ٹارچ ہے.....'' وہ بولی۔

''نہیں۔''

''چلانگ لگا کر جاؤ..... اور فوراً چابی لے کر آؤ ہماری طرف سے شب بخیر۔ صبح ملاقات ہوگی۔ اگر تم اس طرح رہیں تو''..... اور ہم نے کمرے کا دروازہ بند کرلیا۔

ہمارا خیال ہے۔ اس رات ہم نے ایرا کے ساتھ نہ جا کر اپنے ہاتھ پاؤں اور منہ سلامت رکھا۔ ہم اس بات پر مطمئن ہیں۔ ایرا کا کیا ہے کچھ ٹوٹ گیا تو جاپان جا کر دوسرا لگوائے گی۔ ترقی یافتہ ملک کی لڑکی ہے۔

اورنگ زیب قاسمی

مسلمان ہیں پاسپورٹ دکھائیں

آج مولوی علی شرفی کا مزار دیکھنے رسانی جا رہے تھے۔ ہوٹل سے تھوڑی دور پہنچے تو ایک دبلا پتلا نیلے کپڑے پہنے سانولے رنگ کا نوجوان کوچ میں داخل ہوا یہ چشم تھے ان کا تعلق شاہی خاندان سے تھا کیوں کہ حکومت نہیں کر رہے تھے اس لیے گائیڈ تھے۔ حکمران بھی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ بھی وہی کر رہے تھے عرب ہیں اور مراکو کی تاریخ سے اچھی طرح واقف۔ نیلے رنگ کے بارے میں کہنے لگے۔ "گرمی سے بچنے کے لیے خواتین زیادہ تر نیلے لباس استعمال کرتی ہیں۔" ہم قائل ہو گئے جس ہوٹل میں ٹھہرے تھے وہ پورا نیلا تھا اس کے باوجود بھی ایئر کنڈیشن کی ضرورت ہوئی تھی۔ بربر قوم کے تین قبیلے ہیں جو اپنے کپڑوں سے پہچانے جاتے ہیں ان کی عورتیں رنگین لیکن سادہ لباس استعمال کرتی ہیں۔ صحرا، دھول، مٹی میں رہ کر غریب آدمی رنگین کپڑے ہی پہنے گا۔ سفید کپڑے تو ان کی عیاشی ہے جو ہوا بند گاڑیوں میں سیر کرتے اور شیش محل

میں رہتے ہیں۔ چشم نے بتایا ایرفاونڈ کا علاقہ بہت پرانا تھا۔ پھر ایک سڑک پر گاڑی روک دی اور ٹوٹی پھوٹی پرانی بستی دکھانے چلے پہلے ایک ادھورے دروازے سے اس جگہ داخل ہوئے۔ پتلی پگڈنڈی اس کے آگے ٹوٹے ہوئے پتھر شکستہ دیواریں اور شاید اٹی ہوئی قبریں، یہ کئی ہزار سال پہلے کی بستی تھی وقت نے برباد کر دیا تا کہ سیاح دیکھ کر حیران ہوں۔ گائیڈ اپنی معلومات ان پر انڈیلے۔ ہم نے آسمان سے برتی آگ کا احساس کیا اور فیصلہ کر لیا اس بستی کو اندر جا کر کسی قیمت پر نہیں دیکھیں گے۔ وہاں ایک پیڑ تھا اسی کے سائے میں گائیڈ چشم سیاحوں کو معلومات فراہم کر رہے تھے۔ ہم سوچ رہے تھے یہ ایک ٹوٹی ہوئی غیر آباد بستی کے نشان ہیں۔ پاکستان کا محکمہ سیاحت چاہے تو ایسی ہزاروں بستیاں دکھا سکتا ہے جن میں لوگ خوشی خوشی رہتے اور مطمئن ہیں۔

گائیڈ چشم ایک ذہین آدمی تھا اور سیاح بھی اس طرف جانے پر آمادہ نظر نہیں آتے تھے اس لیے دور سے نظارہ کیا اور کوچ کی طرف واپس آئے۔ ان میں ہم سب سے آگے تھے۔

دونوں طرف دکانوں والی ایک سڑک آئی تو چشم نے کوچ رکوا دی یہ گوشت کی دکان تھی......

"آپ یہاں سے خریداری کر لیں" ...... وہ بولا۔

"کیا مطلب گوشت خرید لیں" ...... ایک آواز آئی......

"نہیں اس کے برابر بینک ہے۔ وہاں سے ڈالر کیش کرا لیں۔ وہ سامنے دکان ہے۔ اس سے منرل واٹر کولڈ ڈرنک خرید لیں......"

سیاح اترنے لگے۔ ہم نے چشم سے پوچھا۔ "گوشت کا کیا نرخ ہے۔"

"۵۰ درہم کا ایک کلو......"

"مراکو کے حساب سے مہنگا ہے...... کیا لوگ گوشت کھاتے ہیں۔"

"جن کے پاس درہم ہوں......" چشم یہ کہہ کر چلا گیا۔

منرل واٹر والی دکان پر ہمارے ساتھیوں نے لائن لگا لی تھی۔ رابن نے ۲۴ چھوٹی بوتلوں کا کریٹ اٹھا رکھا تھا۔ ایرا ایک فیملا لیے کھڑی تھی۔ ہم نے بھی ایک منرل واٹر کی بوتل خریدی۔ شاپنگ تو کرنی تھی۔

کوچ روانہ ہوئی تو چشم نے بتایا۔ بربر قبیلے کی جو عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں وہ سیاہ لباس پہنتی ہیں۔ یہاں شرم و حیا اور پردہ کیا جاتا ہے۔ کنواری لڑکیاں منہ چھپائے رہتی ہیں تا کہ کوئی

اورنگ زیب قاسمی

مرد ان کو دیکھ نہ سکے۔ اس وقت فٹ پاتھ پر دو لڑکیاں سیاہ برقعہ پہنے نظر آئیں۔ ان کے چہرے چھپے تھے۔ گائیڈ نے اشارہ کیا۔

''شرم وحیا دیکھو''۔

اسی لمحے ایک تیز ہوا کا جھونکا آیا۔ ان کے کپڑے اڑے اور لڑکیوں کی ٹانگیں بہت زیادہ نظر آنے لگیں۔ ہوا کو کوئی کیا کہے۔

ایک پرائمری اسکول کی عمارت نظر آئی۔ وہ خالی تھی۔ اس کے بعد جو بھی ملی وہ ایسی ہی تھی ہر بچہ کھیلتا ہے خوش رہتا ہے۔

ہماری کوچ موجود شاہی خاندان کے جد امجد مولوی علی شریف کے مزار پر جا رہی تھی۔ یہ مراکو میں عرب حکومت کے بانی کہلاتے ہیں۔ تنگ گلیوں سے نکل کر ایک بڑا میدان آیا چاروں طرف عمارتیں دائیں طرف بڑا دروازہ جس پر دربان بیٹھا تھا۔ کوچ سے نکل کر سیاح اس طرف پہنچے تو روک لیا گیا۔ غیر مسلم اندر نہیں جا سکتے۔ تصویر بھی نہیں بنا سکتے۔ عورتیں ذرا سے کھلے دروازے سے اندر جھانکنے کی کوشش کرنے لگیں۔ دربان نے دروازہ پورا بند کر دیا۔

''علی آپ مسلمان ہیں اندر جائیں.....'' سوزے بولی۔

''اوہ.....ضرور.....'' جون بولی۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ آپ دربان سے بات کریں.....'' ایرا نے کہا ہم آگے بڑھے اور اسے بتایا۔ ''ہم پاکستان سے آئے ہیں۔ مسلمان ہیں۔'' وہ کچھ نہیں سمجھا۔ تب جولین نے فرنچ میں بتایا۔ اس نے انکار سے سر ہلا دیا۔

''یہ کیوں منع کر رہا ہے.....'' راہن نے پوچھا۔

ہر سیاح ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہم اندر جائیں گے اور باقی باہر رہ جائیں گے۔ سوزے اور ایرا نے کہا ''میرا کیمرہ لے جانا۔ اندر کی تصویر اتار لینا..... پلیز''

''یہ کہتا ہے..... پاسپورٹ لاؤ.....'' جولین نے کہا۔

''ہاں۔ ہاں۔ پاسپورٹ لے آؤ.....کوچ میں ہے نا.....'' ایرا بولی۔

''دکھاؤ پاسپورٹ.....'' ملینگ نے کہا۔

''کمال ہے۔ یہ اعتماد کیوں نہیں کرتے۔ ایک قبر دیکھنے کے لیے کون جھوٹ بولے

گا.....'' یم یم بولی۔

''مسٹر عباسی آپ کو پاسپورٹ لانا پڑے گا.....'' جولین نے فیصلہ سنایا۔

''ہم مسلمان ہونے کے لیے اپنے پاسپورٹ سے گواہی نہیں دلائیں گے ہم مسلمان ہیں۔ یہ چاہے تو کلمہ سن لے۔ ایک کاغذ ہمیں اندر جانے کی اجازت دے۔ یہ قبول نہیں۔ اگر یہ مسلمان تسلیم نہیں کرتا تو ہم اندر جانے پر تیار نہیں..... اندر کیا ہے۔ ایک قبر.....بس.....''

ہر طرف چہ مہ گوئیاں ہونے لگیں اس دوپہر ہم اور ملک ملک سے آئے ہوئے سیاح ایک ہوئے۔ ایک صف میں کھڑے ہو گئے۔ ''ایسی جگہ نہیں لانا چاہیے جہاں اندر نہ جا سکیں.....'' ہم یہ کہہ کر کوچ کی طرف جانے لگے۔ ہمارے پیچھے امریکہ برطانیہ آسٹریلیا، ہانگ کانگ کے سیاح چل پڑے۔

باہر گرمی بڑھتی جا رہی تھی اور کوچ کا موسم ایسا تھا کہ جی چاہ رہا تھا ساری سیر و سیاحت اندر بیٹھے بیٹھے ہو۔ لیکن سیاح اگر گرمی، دھول اور مٹی سے لطف اندوز نہ ہوگا۔ اونچے نیچے راستوں پر ٹھوکریں نہ کھائیں تو سیاح کا مزہ ہی نہیں آتا۔

چشم نے ایک جگہ کوچ روک کر نیچے اترنے کی ہدایت دی۔ یہ ایک گلی تھی اندر بازار یعنی سوک تھا ہفتے میں تین دن لگتا ہے اور ہم لوگ خوش نصیب تھے کہ ان تین دنوں میں سے ایک میں آئے تھے۔ یہ دکانیں روزمرہ کی اشیاء سے بھری تھیں۔ سبزیاں، نارنگیاں، ایک آدھ جگہ درجن دو درجن کیلے، ایک دکان پر چیری، آڑو بھی تھے۔ یہ سب یقیناً دور سے آئے ہوں گے۔ پھر عجیب و غریب دکانیں نظر آئیں اس میں قسم قسم کی جڑی بوٹیاں ہری اور سوکھی لٹکی تھیں۔ زمین کے اوپر اور نیچے اگنے والی ہر چیز۔

چشم بتانے لگا یہ بربر جڑی بوٹیاں ہیں۔ مراکو میں بیماریوں کے علاج کی سہولت نہیں۔ اس لیے دیسی جڑی بوٹیوں سے علاج کیا جاتا ہے۔ سبزیاں، پھل، پھول، مصالحے۔

''کیا ان سے شفا ملتی ہے.....'' ایرا نے پوچھا۔

گائیڈ نے جواب دیا۔ ''کیوں نہیں جب ہی لوگ استعمال کرتے ہیں۔'' یہ دکانیں اتنی اچھی لگ رہی تھیں کہ سب نے تصویریں بنائی ان میں سے ایک ہم بھی تھے۔ بوتلوں میں تیل بھی نظر آئے۔ بعض اشیا پر عورتیں گرنے لگیں..... گائیڈ کے ساتھ آگے بڑھے۔ ایک دکان سے

اورنگ زیب قاسمی

پیٹرا نے نیا ہیٹ خریدا۔ انہیں دھوپ زیادہ محسوس ہو رہی تھی اور اپنا ہیٹ کوچ میں بھول آئی تھیں۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے۔

بازار ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ بعض جگہ بڑی عمر کے لوگ قہوہ پی رہے تھے گپ لڑا رہے تھے گلیاں خریداروں سے بھری تھیں یہ سب بربر قبیلے کے لوگ تھے۔ خواتین یہ چیزیں دیکھ کر حیران ہو رہی تھیں۔ لیکن چشم کسی جگہ ٹھہرتا نہ تھا اس لیے خریداری ممکن نہ تھی۔

برطانیہ کے رابن نے دیکھا بازار تو ختم نہیں ہو رہا اس کی بیوی اینا زیادہ دیر چل نہیں سکتی تو کوچ میں جانے کی ضد کرنے لگا۔

چشم نے بہت سمجھایا۔

''دس منٹ بعد بازار سے ایک قصبہ دیکھنے چلیں گے لیکن رابن نہیں مانا تب اس نے ایک دوکاندار کو آواز دے کر کچھ سمجھایا وہ ان دونوں کو لے کر ایک طرف چلا ہم بھی اظہار ہمدردی کے لیے ساتھ ہو لیے۔ کیوں کہ ہم اندازہ لگا چکے تھے کہ اس شدید گرمی میں چشم کا مقصد سیاحوں کا تیل نکالنا ہے۔ اس کے لیے ہم تیار نہیں تھے۔ جو راستہ بازار سے باہر جا رہا تھا وہ شیطان کی آنت کی طرح لمبا تھا۔ دونوں طرف دکانیں، درزی، موٹر سائیکل ریپر ویلڈنگ اور برتنوں کی..... یہ پتلی تنگ گلی بڑھتی جاتی تھی۔ اس میں موٹر سائیکل سوار پوری رفتار سے زن زن گزرتے۔ کبھی دائیں کبھی بائیں ہم جان بچاتے جاتے۔ کئی کلومیٹر چل کر باہر سڑک پر آئے تو کوچ سامنے کھڑی تھی لیکن اس میں کوئی نہیں تھا۔ نہ لائٹ نہ ایئر کنڈیشن۔ اس لیے باہر کا موسم اچھا تھا۔

ہم سامنے ایک عمارت کی سیڑھیوں پر جا بیٹھے۔ رابن اور اینا بھی آ گئے۔ ہم پانی کی بوتل لینے کوچ میں گئے تو اندر ہی بیٹھ گئے۔ سیٹ سخت زمین سے بہتر تھی۔

بائیں طرف ایک قلعہ تھا دور تک دیوار کھینچی تھی۔ ایک بڑا دروازہ اندر جانے کے لیے تھا۔ لوگ سائیکلوں پر بوجھ لادے جا رہے ہیں۔ عورتیں برقعے کے ساتھ گھر کا بھاری سامان خرید کر لا رہی ہیں۔ بچے سڑک پر کھیل رہے ہیں۔ کسی کے پاس سائیکل ہے۔ ایک چلا رہا ہے تو چار اس کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ زندگی ٹھہری ہوئی ہے۔ بہت ہوا تو سائیکل کے پہیے کی طرح گھومنے لگی۔ گدھے گاڑیاں ادھر سے اُدھر بھاگی پھر رہی ہیں۔ گدھے کو نہ گرمی لگتی ہے نہ دھوپ ستاتی ہے۔ اس علاقے کے لیے یہ نعمت ہے۔

جب ہم کوچ کے موسم سے مانوس ہو گئے تو چشم گائیڈ اندر آیا۔

''جولین نے آپ کو بلایا ہے۔''

''ہمیں کیوں.....''

''آپ کو کچھ دکھانا ہے.....''

ہم باہر نکلے تو رابند اور اینا کوچ کے پاس کھڑے تھے۔ ہم نے دو سڑکیں پار کیں اور قلعے کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ مراکو میں بہت سی بستیوں کے چاروں طرف دیوار ہوتی ہے۔ اسے قصبہ کہتے ہیں۔ دروازے کے دونوں طرف بیٹھنے کی جگہ تھی۔ سامنے بڑا اونچا فرش تھا۔ اس کے آگے ایک دروازہ اور پھر بڑا میدان جس میں ایک ٹیوب ویل، انگریزی فلموں والا منظر، اس قصبے میں ۱۳۰۰ خاندان آباد تھے۔ ہمیں سیدھے ہاتھ ایک دروازے سے اندر لے جایا گیا چند سیڑھیوں کے بعد ایک ہال تھا۔ جس میں ایئر کنڈیشن کی ٹھنڈک تھی۔ ہر طرف قالین دریاں، خنجر، تلواریں فروخت کے لیے رکھی تھیں۔ دیوار سے لگی کرسیوں پر ہمارے ساتھی بیٹھے تھے۔ ہمیں جون کے برابر جگہ ملی۔ روایتی چائے اور پانی سے تواضع کی جا رہی تھی۔ لاتعداد قالین کھول کر دکھائے جا رہے تھے۔ سیاح ہاتھ لگا کر ان پر بیٹھ کر دیکھ رہے تھے۔ خوش ہو رہے تھے۔ وہاں بربر تھے جو قالین دکھا کر تعریفیں کر رہے تھے۔ جون نے کہا۔ آپ کوئی قالین خریدیں۔ ہم نے اطلاع دی۔ ''جہاں کے ہم ہیں وہ ملک قالین کا گھر کہلاتا ہے۔'' جون نے ایک قالین پسند کیا وہ ایک موٹی دری تھی۔

اس کی قیمت ایک سو امریکی ڈالر تھی۔ وہ ہمیں دکھا کر رائے مانگنے لگی۔ سامنے ایک خطرناک بربر قالین دکھا رہا تھا اور ہمیں گھور رہا تھا۔

''بہت اچھا ہے۔ خوبصورت اور سستا بھی'' ہم نے مشورہ دیا۔ جون نے فوراً قالین یا موٹی دری خرید لی اور سب سے کہا'' مسٹر عباسی نے تعریف کی ہے۔ انہیں قالین کے بارے میں بہت علم ہے۔'' یہ بات اِدھر اُدھر پھیل گئی اور پھر ہر شخص ہم سے مشورہ لینے لگا اور کئی موٹی دریاں قالین کے نام پر فروخت ہو گئیں۔ دکان کے دوسرے حصے میں ایرا اور سوزے کو لیے ایک بربر بیٹھا تھا۔ یہ لوگ خنجر دیکھ رہی تھی۔ دوسری طرف ایک فرنچ جوڑا پتھر سے بنی چیزیں پرکھ رہا تھا۔

اورنگ زیب قاسمی

کئی جگہ زمین پر سیاح اور سیلز مین بر بر بیٹھے مول تول کر رہے تھے۔ ایک بازار لگا تھا۔ ایک اور کمرہ تھا اس میں بھی اشیاء دیکھی جا رہی تھیں۔ ایک چکر اس طرف لگا کر پھر واپس قالین والے کمرے میں آئے۔ اب روانگی تھی اور ہر شخص کے پاس کوئی نہ کوئی چیز تھی جو امریکی سکے کے عوض خریدی گئی تھی۔ بربر دکان والوں نے ہم سے خصوصیت سے ہاتھ ملایا۔ ان کی فروخت میں مدد دی تھی۔

کوچ واپس جانے لگی۔ ترزیمی قصبہ کی طرف روانگی تھی۔ ہم مطمئن تھے آج کی سیر ختم ہوئی کہ اچانک کوچ رک گئی۔ سیاح باہر نکلنے لگے ایک ماربل کارخانے کا معائنہ باقی تھا۔

ایک دروازہ پھر دھول سے اٹا راستہ اور اندر بڑی مشقیں۔ جن سے پتھر کاٹا جا رہا تھا۔ ماربل کارخانے کے منیجر رشید نے تفصیل بتانی شروع کی۔ پتھر پہاڑوں سے لاکر مشینوں سے کاٹ کر پالش کیا جاتا ہے۔ سیاہ پتھر مراکو میں پایا جاتا ہے۔ ایک مشین کے ذریعے اس کے سلیب بنائے جا رہے تھے۔ ہم دور کھڑے رہے مشین کے پاس جاتے اور وہ سلیب بنا دیتی تو کسی مکان دکان میں جا لگتے۔ یہ گوارہ نہیں ایک جگہ یہ ٹائیل میں ڈھالے جا رہے تھے۔ واش بیسن بن رہے تھے۔ مراکو کے نوجوان بے جان پتھروں میں جان ڈال رہے تھے۔ محنت اور توجہ کیا نہیں کرتی۔

حیرت اس بات پر ہوئی کہ پتھروں کے ٹکڑے دنیا بھر میں بھیجے جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک بڑے ڈبے میں سیاہ پتھر کے بڑے بڑے صاف شفاف چمکتے ٹکڑے رکھے جا رہے تھے اور یہ امریکہ جانے تھے۔ کچھ آسٹریلیا۔ بعض فرانس۔

پتھروں سے مختلف چیزیں بنائی جا رہی تھیں۔ پتھروں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے ایک پتلے راستے پر چلے تو وہ ڈس پلے سینٹر پر ختم ہوا جہاں متعدد لڑکیاں اور نوجوان پتھروں سے بنے گلدان انڈے، پیپر ویٹ، جانور، ٹیبل، لیمپ اور انواع اقسام کی چیزیں موجود تھیں۔

ہمارا خیال تھا ان چیزوں میں کون دلچسپی لے گا۔ لیکن ہر سیاح ''بہت اچھے''..... ''بہت اچھے'' کہہ کر خریدتا رہا اور خوش ہوتا رہا۔ ماربل کے کارخانے والے ذہین عقلمند اور بیوپاری ہیں جو پتھروں کو سیاحوں کے ہاتھوں فروخت کر کے غیر ملکی کرنسی حاصل کرتے ہیں۔ مراکو کی معاشی خوش حالی کے لیے۔

صحرا میں شام

ہمارے سامنے دس بارہ حوریں کھڑی تھیں۔ اتنے ہی غلمان تھے۔ ہم نے سوچا تھوڑی دیر پہلے تو زندہ تھے۔ اچانک کیا ہوا۔ جو تھا ہم خوش تھے اتنی بہت سی حوریں اور غلمان۔

''سب لوگ گاڑیوں میں بیٹھیں.....'' اس آواز نے ہمارے خیالات کو منتشر کر دیا۔ سڑک کے کنارے چھ سفید بھیمیں کھڑی تھیں..... ہم صحارا ریگستان جا رہے تھے۔ سیاح خواتین نے نیلے رنگ کے دوپٹوں سے اپنے سر اور گردن چھپائی تھی اور اب صرف گورے چہرے نظر آ رہے تھے۔ وہ سب اچھی لگ رہی تھیں۔ بڑی اور چھوٹی عمر کا فرق مٹ گیا تھا۔ مردوں نے بھی سر اور کان اسی دوپٹے سے ڈھکے ہوئے تھے سڑک کے کنارے ایک بربر ۳۰ درہم میں دوپٹے فروخت کر رہا تھا۔ ریگستان کی سیر کے لیے یہ ضروری تھے۔ جولین کی ہدایت پر ایک ہم نے بھی خرید لیا اور ذرا دیر میں غلمان بن گئے۔

اورنگ زیب قاسمی

نیلے سرخ اور پیلے دوپٹے سب نے پسند کیے۔ جولین بھی اسی روپ میں تھا۔ سیاح گاڑیوں میں بیٹھنے لگے۔ ہمارے حصے میں جولین، دائیں پاؤں پر پٹی باندھے ایلڈا ان کے میاں اور جون ملی تھی۔ جولین کی وجہ سے ہماری جیپ سب سے آگے تھی۔ یہ چار پہیوں سے چلنے والی جیپ تھیں تھوڑی دیر سڑک کے بعد ریگستان میں اتر گئیں۔ چاروں طرف نظر اٹھتی لق و دق صحرا تھا۔ ریت کے ٹیلے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا ہم ریت کے سمندر میں آگئے ہیں جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔

ایک جگہ جیپ روکی گئی۔ باقی بھی رک گئیں۔ سب باہر نکل کر کھڑے ہوئے یہ ریت کا ایک پہاڑ تھا اور اس کے نیچے حد نظر تک ہوا میں اڑتے بگولے تھے۔ ہماری زندگی کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ ریگستان میں اگر کوئی راستہ بھٹک جائے تو کیا ہوگا۔

جولین نے دوبارہ سب کو جیپ میں بٹھایا اور گاڑیاں پہاڑ پر چڑھنے لگیں۔ اس وقت ہمارے ساتھ بیٹھے سب ہی لوگ خوفزدہ ہوگئے۔ جیپ جس تیزی سے اوپر چڑھی تھی اسی طرح نیچے اتر گئی۔ ایک اور ریت کا سمندر۔ نہ جانے ان ڈرائیوروں کو راستہ کیسے یاد رہتا ہے۔

بڑا میدان آیا ریت کم ہوئی تو دیکھا وہاں ایک خیمہ لگا ہے۔ جولین نے جیپ رکوا دی۔ ہم لوگوں کو یہ خیمہ دیکھنا تھا۔ ایک بربر خاندان یہاں رہتا ہے۔ بڑا خیمہ تھا لیکن اتنا نیچا کہ آدمی پورے قد سے داخل نہیں ہوسکتا۔ اس کے دو حصے تھے ایک استقبالیہ دوسرا زنانہ، پہلے میں دریاں بچھی تھیں دو ایک تکیے بھی رکھے تھے یہ مہمانوں کے استقبال اور سونے کا کمرہ ہے۔ خواتین کے لیے اسی میں پردہ ڈال کر الگ کر دیا ہے۔ وہ اس حصے میں رہتی ہیں۔ جولین کا اصرار تھا اندر سے دیکھیں ہر سیاح نے جھانک کر دیکھا۔ زنانے حصے میں ایک بربر خاتون بیٹھی اونٹ کے بالوں سے کمبل بنا رہی تھیں۔ جولین نے بتایا اس خاندان کا سربراہ پچھلے سال انتقال کر گیا ہے۔ اب یہ خاتون خاندان کا پیٹ پال رہی ہیں گڑیاں، کھلونے اور کپڑے پر کشیدہ کاری سے روزی کماتی ہیں۔ دو چھوٹے بچے ہیں ایک بڑا ہے۔ اس نے خیمے کے برابر دکان لگائی ہوئی ہے جس میں پتھر سے بنی اشیاء کشیدہ کاری اون فول چیزیں رکھی ہیں سیاح اس طرف متوجہ ہوئے۔ خاتون کا ایک لڑکا موٹر سائیکل پر شہر جا کر کھانے پینے کی اشیاء خرید لاتا ہے۔

کھانا پکانے، باتھ روم اور جانوروں کو رکھنے کے لیے الگ خیمے لگے ہیں۔ پانی کے لیے

ایک ٹیوب ویل بنالیا ہے۔ بہت نیچے پانی ہے۔ جب ختم ہوجائے گا یہ لوگ کسی اور جگہ چلے جائیں گے۔ یہی زندگی کا انداز ہے۔ سیاح آتے ہیں۔ یہ مہمان نواز رہیں۔ بربر وسکی یعنی پودینے کی چائے پیش کرتے ہیں۔ ہمارے سامنے بھی ایک بچہ تھال لایا جس میں گلاس رکھے تھے ان میں سرخ رنگ کی چائے تھی ہم نے پینے سے انکار کر دیا۔ اس تھال میں ہر شخص کچھ نہ کچھ ڈال رہا تھا۔ یہ سارے درہم ان لوگوں کی پیٹ کی آگ بجھائیں گے۔ ایک خیمے میں چند بھیڑیں تھیں جو دودھ دیتی اور اپنے مالک کو اون دیتی ہیں۔ جو بربر خاندان کے لیے نعمت ہے۔ وہ کمبل بناتی ہے مظر بنتی ہے۔ ایک روٹی، ایک گلاس پانی اور چند چٹے سبزی کے لیے، ہم نے ان لمحوں کی، ریت سے لڑتے، غربت سے آنکھیں ملاتے بہادر انسانوں کی تصویر بنالی۔ یہ کبھی ایسین کی تقدیر تھے اور اب صرف ریت پر لکھی ایک اڑتی مٹتی لکیر ہیں۔

سفر پھر شروع ہوا۔ ریگستان کا نیا رخ دیکھا۔ ہوا سے بگولے بن رہے تھے اڑ رہے تھے۔ دور دھوپ میں ریت چمک رہی تھی۔ پھر ہوا اڑا کر لہریں بنا رہی تھیں۔ ایک نظر میں مچلتا دریا لگتا ہے۔ اسے سراب کہتے ہیں۔ یہ نظروں کا دھوکا ہے۔ یہ پانی نہیں چمکتی ریت ہے۔ زندگی میں کتنی چیزیں دور سے خوابوں کی تعبیر نظر آتی ہیں نزدیک گئے تو ہوا تھی۔ اڑتی ریت تھی۔ زندگی کے بکھرتے خواب، ٹوٹتی خواہش ریگستان کی کروٹ بدلتی ریت یاد دلاتی ہے۔ زندگی میں کیا ہے۔

ٹوٹ کر بکھرنا۔ ذرہ ذرہ ہوجانا۔ اڑ جانا۔

ایک طرف سے ریت کا ایک بڑا جھونکا آیا اور پوری طاقت سے گاڑی سے ٹکرایا۔ چاروں طرف دھند چھا گئی۔ کوئی جیپ نہیں رکی۔ یہ تو اس موسم۔ اس راستے اور ریت کے ذرے ذرے سے واقف ہیں۔ پچھلی منزل اور آگے یہی ریت ملے گی۔ یہ تو ساتھ ساتھ ہے۔ جولین نے بتایا صحارا ریگستان میں مشہور انگریزی فلم ''دی میسج'' کی شوٹنگ ہوئی تھی۔ ذرا دیر میں پھر ریت اڑی۔ تیز ہوا سے گاڑی ہلنے لگی، ایلڈا پریشان ہونے لگی۔ جولین چپ بیٹھا رہا۔ جیپ ریگستان میں چلی جا رہی تھی۔ یہ صحارا ریگستان ہے۔ جو کئی ملکوں سے ہوتا آیا ہے۔ ریت اڑاتا آیا ہے۔ ریت اڑاتا جائے گا۔

نہ جانے ہماری منزل کہاں تھی۔ دور تک اڑتی ریت اور بدلتے پہاڑ۔ ابھی دائیں طرف

اورنگ زیب قاسمی

ایک بڑا ٹیلہ تھا۔ اب وہ سرک رہا ہے۔ آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ دوسری جگہ چلا گیا۔ اب بکھر رہا ہے۔ سمٹ رہا ہے۔ بن رہا ہے۔ یہ کیسا تجربہ ہے۔ یہ کیسے منظر ہیں۔ ہوائیں کون چلاتا ہے۔ ریت ایک جگہ سے دوسری جگہ کون لے جاتا ہے اور ہمیں حفاظت سے کون آگے بڑھا رہا ہے۔ رب المشرقین ومغربین۔ بے شک زمین کا بادشاہ آسمان کا مالک میرا رب ہے۔ سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ ریگستان میں اچانک ایک عمارت نظر آئی۔ صحرا میں نخلستان ایک بڑا میدان۔ اس میں سیاحوں کے لیے ہوٹل۔ ریسٹورنٹ ''علی برگ''۔ یہاں رکنا ہے۔ ریگستان کو دیکھنا۔ جہاں گاڑیاں پارک تھیں اس کے ایک طرف ۱۳ اونٹ بیٹھے تھے۔ ان کے مالک ساتھ کھڑے تھے۔ اونٹوں نے رنگ برنگی جھالریں پہنی ہوئی تھیں۔ ریگستان میں بے حد اچھی لگ رہی تھیں۔ ان پر سواری کا کرایہ ۱۵۰ درہم اور اگر دو بیٹھیں تو ۲۰۰ درہم تھا۔ ہم ایک بار اونٹ پر بیٹھے تھے وہ بھاگ لیا تھا۔ جب اترے تو کچھ نہیں ہوا۔ لیکن دوسرے دن سے ایک ہفتے تک جسم کا ہر حصہ درد کر رہا تھا۔ اونٹ نے جوڑ جوڑ ہلا دیا تھا۔ زندگی میں ہم نے پھر بھی رقم خرچ کر کے درد یا خوف نہیں خریدا۔ اس لیے دور رہے سیاح پاگل ہو رہے تھے۔ اونٹ کی سواری پر سب تیار تھے۔ ہمارے ساتھ جو ایلڈا آئی تھی، وہ بھی ایک خاتون کے ساتھ اونٹ پر جا بیٹھی حالانکہ اچھی طرح چل نہیں سکتی تھیں دائیں پاؤں میں چوٹ کی وجہ سے پٹی بندھی تھی۔ تفریح کرنا یورپ اور امریکہ کے لوگوں سے سیکھیں کام کریں نہ کریں تفریح خوب کرتے ہیں۔ ذرا دیر میں گیارہ اونٹ اپنی پشت پر دو دو مسافر لے کر زمین سے اٹھے تو چیخیں سنائی دیں پھر جب وہ سیدھے کھڑے ہوئے تو قہقہے اور تالیاں۔ یہ گیارہ اونٹ روانہ ہوئے ان کے ساتھ مالک چلا صحرا کی سیر کرانے۔

ہم علی برگ ریسٹورنٹ کے سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے آ کر پوچھا..... ''کیا پئیں گے.....'' ہم نے فانٹا مانگا وہ لایا تو کم ٹھنڈا تھا۔ ریگستان میں یہ ریسٹورنٹ جزیرے سے چلتا تھا اس سے زیادہ کیا ٹھنڈا کرتا۔ کرسیوں پر ہمارے کچھ ساتھی بیٹھے تھے۔ دوسری طرف چھ گاڑیوں کے ڈرائیور اور دو چار لوگ جو اپنی گاڑیوں میں یہاں آئے تھے۔

ہم جہاں بیٹھے تھے اس کے سامنے ریت کے ٹیلے ادھر اُدھر اڑتے پھر رہے تھے۔ بگولے بنا رہے تھے۔ یہ سب اُسی وقت اچھا لگتا ہے۔ جب شہر واپسی کا بندوبست ہو۔

آہستہ آہستہ دھوپ علی برگ کی دیوار سے چڑھنے لگی اور دن ڈھلنے لگا۔ ہم باہر آ گئے۔

سورج دور ریگستان کے ایک بڑے ٹیلے کی طرف جھک رہا تھا۔ اس میں چمک کم ہو گئی تھی سارے دن سفر کر کے تھک گیا تھا۔ آرام کرنے مغرب کی طرف غروب ہونے جا رہا تھا ہم اسے دیکھنے ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ جوتے کے تلے ریت میں چھپ گئے سورج اور دور ہو گیا۔ ایک ٹیلے پر جا بیٹھا۔ اس کے نزدیک ریت چمکنے لگی۔ پھر اور جھک گیا۔ ریت زیادہ چمکنے لگی۔ پھر وہ آدھا چھپ گیا ریت کے ٹیلے نے اسے ڈھک لیا۔ ایک دن ڈوب رہا تھا۔ مشرق سے مغرب ہو رہا تھا۔ پھر ذرا سا ٹکڑا بھی ٹیلے میں چلا گیا۔ اس کی جگہ آسمان پر سرخ سونا اور گلابی ریت رہ گئی۔

صحرا میں شام ہو گئی۔ جہاں سورج ڈوبا تھا۔ وہ ٹیلہ ابھی روشن تھا۔ یہ منظر آنکھوں کے البم میں آ کر سج گیا۔ صحرا کی شام ڈھل گئی۔ صحارا ریگستان میں رات ہونے لگی۔ ہوا کی آواز بڑھنے لگی۔ ریت اٹھنے لگی۔ تب دور سے اونٹوں کی قطار نظر آئی۔ جو اپنے ساتھ اندھیرے لا رہے تھے اور ہم اکیلے ریت کے تیلے پر کھڑے ریگستان میں اترتی رات دیکھ رہے تھے۔

Gifted From
Dr. Khursheed Alam
Khursheed_anam@yahoo.co.in

روز ویلی میں روز غائب

آج روز ویلی کی طرف روانگی تھی۔ ہمارے ساتھی خوش تھے وہ ایک ایسی وادی کی طرف سفر کرنے والے ہیں جہاں گلاب ہوگا۔ ہر طرف اس کی خوشبو اور رنگ ہم جانتے تھے۔ یہ نام کی حد تک ہوگا۔ نیویارک کے علاقوں کے کیسے کیسے خوبصورت نام ہیں، جیری ہلیوارڈ، فلاورز اسٹریٹ، ایپل ایریا، لیکن یہاں نہ چیری ہوتی ہے، نہ پھول کھلتے ہیں، نہ درختوں میں سیب لگتے ہیں۔ یوں سمجھ لیں ماہ رخ، گل ناز اور گل بدن نام کی لڑکیوں کا حسین ہونا شرط نہیں۔ ان خیالات کا اظہار نہیں کیا۔ جو خوش ہے۔ اسے مسکراتے رہنا چاہیے۔ جو خوش فہمی کے حصار میں ہے تو اسے توڑنا نہیں چاہیے۔

آٹھ بجے قصہ تریمی ہوٹل سے باہر نکلے۔ اپنے پیچھے ان سب لوگوں کو چھوڑ آئے جو نئے سیاحوں کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ہمیں ابھی صحرا، خشک راستے اور آباد شہر

دیکھنے تھے۔

راستے میں جھار نام کا دیہات آیا۔ ایک سمت منگل بازار لگا تھا۔ گدھے اور لوگ دونوں مصروف تھے۔ زندگی پوری توانائی سے جاری تھی۔ اس راستے سے گزر کر پہاڑی علاقے میں آ گئے۔ یہ مٹی کے ٹیلے ہیں۔ ایک پہاڑی کے سامنے کوچ رک گئی جولین نے گیارہویں صدی میں بنائے ہوئے پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک لے جانے کا انتظام دکھایا۔ زمین میں تھوڑی تھوڑی دور بڑے سوراخ بنائے گئے تھے۔ ان کے نیچے پانی بہتا رہتا ہے۔ یہ اوپر سے کھلے تھے۔ اس میں ہوا سے اُڑ کر مٹی چلی جاتی ہے۔ ہر تین ماہ یہ مٹی صاف کر دی جاتی ہے۔

''اس طرح تو بہت اخراجات ہوتے ہوں گے.....'' ایک سیاح نے پوچھا۔

''پھر بھی یہ سستا پڑتا ہے''..... جولین نے بتایا۔

''اسے بند کیوں نہیں کرتے.....'' ہم نے سوال کیا۔

''پانی کا بہاؤ رک جائے گا.....''

''کوئی اور طریقہ..... ہر تین ماہ بعد تو بہت کام ہوتا ہوگا۔'' ایک خاتون نے پوچھا۔

''فی الحال ممکن نہیں.....'' جولین نے کوچ میں چلنے کی درخواست کی۔ یہ نظام گیارہویں صدی سے ابھی تک چل رہا ہے۔ ہر تین چار کلومیٹر بعد ایک سوراخ ہوتا ہے۔ ہمیں یہ پسند نہیں آیا۔ لیکن جولین مطمئن تو ہم کیا کہتے چپ رہے۔ دوسرے کے معاملات میں خواہ مخواہ دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔

اس جگہ بہت سے مکانات نامکمل تھے۔ جیسے لوگ ادھورے مکانات چھوڑ کر اچانک چلے گئے ہوں۔ جولین نے بتایا۔ ''یہ مکان اس لیے مکمل نہیں کیے جا رہے کہ جب تعمیر پوری ہوگی حکومت ٹیکس لگا دے گی۔ پہلے یہ فروخت ہو جائیں اس کے بعد تعمیر کی جائے گی۔''

''حکومت کو یہ بات معلوم ہے''..... ایک سوال ہوا۔

''جب مجھے اطلاع ہے تو حکومت کو علم کیوں نہیں ہوگا.....'' جولین بولا۔

''انتظامیہ کو نامکمل مکانات پر جرمانہ کرنا چاہیے کہ ابھی تک بنائے کیوں نہیں.....'' ہم نے مشورہ دیا۔

''بات اچھی ہے۔ لیکن حکومت سنے گی نہیں کہ اس میں وہ بھی شامل ہے.....'' جولین

اورنگ زیب قاسمی

نے بتایا۔ دور خشک میدان میں بہت سے اونٹ ایک قطار میں جاتے نظر آئے۔ جولین نے بتایا..... ''یہ عربی اونٹ ہیں.....''

''کیسے ہمیں بھی بتائیں.....'' کئی آوازیں آئیں۔

مراکو میں دو قسم کے اونٹ پائے جاتے ہیں۔ کالے رنگ کا بربر اونٹ کہلاتا ہے۔ اس کا وزن ۳۰ کلو ہوتا ہے۔ اس کے بالوں کی اون اچھی نہیں ہوتی۔ عربی اونٹ بھورے رنگ ۵۰ کلو وزن کا ہوتا ہے۔ اس کے جسم سے اترنے والی اون اچھی اور قیمتی ہوتی ہے۔ لیکن مراکو میں اون آسٹریلیا سے آتی ہے۔ بربر ایک قدیم اور جفاکش قوم ہے۔ اس کے اونٹ کا وزن سن کر مایوسی ہوئی۔ بقر عید میں فروخت ہونے والے بعض بکرے۔ بربر اونٹ سے دوگنے وزن کے ہوتے ہیں نہ جانے بربر بکریاں اور بھیڑیں کس وزن کی ہوں گی۔

مراکو میں جانوروں تک کو قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوئی۔

ایک دیہات آیا۔ یہاں جانوروں کا سکھ یعنی منڈی لگی تھی۔ گھوڑے گدھے اور اونٹ فروخت ہو رہے تھے۔ گاہک بھی موجود تھے۔ جانور گردن جھکائے کھڑے تھے۔ انہیں مالک بدلنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ تو بوجھ ہی لادیں گے شریف کا ہو یا رشید کا۔

ایک جگہ سے کوچ گزرنے لگی تو عجیب منظر دیکھا ایک نالے میں پانی بہہ رہا تھا اور بربر عورتیں کپڑے دھو رہی تھیں۔ بچے مدد کر رہے تھے۔ ان عورتوں نے گردن اٹھا کر کوچ کی طرف دیکھا اور پھر کام میں مصروف ہو گئیں۔ ہم نے مراکو میں پہلی بار پانی بہتے دیکھا۔ کئی سیاح تصویر بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے جولین سے کہا۔

''ذرا دیر کے لیے کوچ روک دو۔ یہ منظر تصویر کی صورت میں اپنے ساتھ لے جائیں.....''

''یہ خواتین بربر ہیں اور تصویر پسند نہیں کرتیں۔ پچھلے سال ایک سیاحوں کی کوچ رکی اور دو ایک کیمرہ لے کر نکلے تو انہوں نے پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ بچے بھی ان کا ساتھ دے رہے تھے۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگے.....'' کوچ آہستہ ہوئی اور کئی کیمرے ایک ساتھ چلے۔

دوپہر ہونے والی تھی۔ ہم سے زیادہ جولین کو کھانے کی فکر تھی۔ ظاہر ہے اگر سیاح

بھوکے رہیں گے تو مراکو والوں کے لیے اچھی بات تو نہیں۔ جولین ہر ایک سے کھانے کا آڈر لینے لگا۔ بربر کس کس، بربر آملیٹ، تجین، ان کھانوں میں سے انتخاب کرنا تھا۔ بربر کے دیس میں تھے۔ ان کا کھانا تھا۔ اس لیے ہم نے بربر آملیٹ پسند کیا۔ جولین کاغذ پر نوٹ کر رہا تھا۔ پھر اس نے موبائل فون سے ہوٹل کو لکھوا دیا۔ ایسا تو امریکہ میں ہوتا ہے اس سلسلے میں مراکو بھی نمبر لے گیا۔

خشک چٹانیں اور پہاڑ دیکھتے ایک دیہات میں پہنچے وہ ڈیڈیز وادی کہلاتا ہے۔ اس میں ہوٹل ریسٹورنٹ قلعہ اسودی تھا۔

ایک سڑک اس کے کنارے عمارت بہت سی سیڑھیاں چڑھ کر دو کمرے ان میں صوفے اور سامنے میزیں، ہم رابن اینیا کے ساتھ بیٹھے سامنے فرانس سے آئی ہوئی شیلی آ بیٹھی۔ گھونگھر والے بالوں والی یہ لڑکی الگ تھلگ رہتی تھی۔

''مسٹر عباسی۔ ایک بات بتائیں۔ یہاں اسلام زیادہ کیوں نہیں'' رابن نے سوال کیا۔

''ہم سمجھے نہیں..... اسلام تو ہے.....''

''میرا مطلب ہے لوگوں کو مسجد میں جاتے نہیں دیکھا۔ میں ترکی میں بہت عرصے رہا ہوں۔ لندن میں بھی دیکھا ہے۔ مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ یہاں کسی کو پڑھتے.....'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہم کسی ایسی جگہ نہیں گئے۔ جہاں مسجد ہو اور نماز کا وقت ہوا ہو۔''

''ایک جگہ جہاں مسجد دیکھ رہے تھے۔ وہاں اذان کی آواز بھی آئی لیکن نمازی نظر نہیں آئے۔'' رابن نے میکنیز کی مسجد کا حوالہ دیا۔

''زیادہ تر لوگ گھر پر نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں۔'' ہم نے کہا۔

''اوہ۔ میں سمجھا.....'' وہ چپ ہو گیا۔

ہماری میز پر ایک بڑا کونڈا رکھا گیا۔ جو اوپر تک بھرا تھا۔ چار انڈوں کا آملیٹ چار طرف نظر آ رہا تھا۔ رابن کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کیا کرے۔ ہم نے چھری اٹھا کر کونڈے کے اندر آملیٹ کو چار حصوں میں کاٹ دیا۔ اتنے میں بیرا ایک اور خاتون کو ہماری میز پر لے آیا۔

''تم نہیں کھاؤ گی''..... ہم نے شیلی سے پوچھا۔

"دل نہیں چاہ رہا......" وہ شاید اداس تھی۔

ہم نے آملیٹ اپنی پلیٹ میں رکھ لیا نیچے سبزیاں رہ گئیں۔ کالی مرچ، نمک اور سرکہ ڈال کر ذائقہ پیدا کیا اور ڈبل روٹی سے کھانے لگے۔

آملیٹ کے نیچے ٹماٹر۔ مٹر اور کسی قسم کی بیزہ تھیں۔

ہم نے شیلی سے کہا۔ "پلیز یہ چکھ کر تو دیکھو۔ بربر آملیٹ کیسا ہوتا ہے۔"

اس بار وہ مسکرائی اور خالی پلیٹ میں ذرا سی سبزیاں نکالیں اور کھانے لگی۔ ہم نے اپنی منرل واٹر کی بوتل بھی اس کی طرف سرکا دی۔ اس نے گلاس میں پانی نکالا اور شکریہ ادا کیا۔ ہم نے رابن کو بھی پانی دیا۔ اس لیے کہ بہت سی سیدھی سیڑھیاں اترنا ہی مرحلہ تھا اس پر سے پانی کا بوجھ برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

ماونٹ اٹلس۔ 2250 میٹر

جس ہوٹل میں ہمارا قیام تھا اس کا نام لیس روز ڈوڈیڈیز تھا۔ بدقسمتی سے مراکو پر ایک طویل عرصے فرانس کی حکومت رہی۔ اس لیے ہر طرف فرانسیسی زبان کا بول بالا ہے۔ ہمارے نصیبوں میں انگریز لکھے تھے لہذا پاکستان میں جگہ جگہ انگریزی ناموں کی بھرمار ہے۔ اس علاقے کا نام ال قلعہ ایم گونا ہے۔

اس علاقے میں مراکو کا مشہور دریا منگونا بہتا ہے۔ یہ لفظوں کی حد تک ہے ورنہ ہم نے کوئی دریا بہتا نہیں سوکھا البتہ دیکھا ہے۔ یہ وادی اوز یعنی گلاب کی کہی جاتی ہے...... روز واٹر بھی ملتا ہے۔ اور دوسری اشیاء بھی۔ جس ہوٹل میں قیام تھا وہ ذرا آبادی سے اوپر کی طرف تھا۔ بازار اور شہر نکل گیا تب ایک پہاڑی پر ہوٹل نظر آیا۔ یہاں ایک رات کا قیام تھا۔

ہوٹل مراکو کے بادشاہ حسن دوئم نے بنوایا تھا۔ اسٹیٹ ہوٹل تھا بعد کو فروخت کردیا کہ

اورنگ زیب قاسمی

سیاح لطف اندوز ہوں۔ ایک بڑا استقبالیہ اور بہت سے کمرے۔

استقبالیہ پر ہم نے سلام کر کے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور خوش ہوئے۔ انہیں کیا محسوس ہوا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کمرہ اچھا تھا تھوڑی دیر تو ساتھیوں کی آوازیں سنائی دیں اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ زیادہ تر لوگ نیچے بازار میں چلے گئے۔ ہم دیکھتے آئے تھے۔ یہ قصبے کا بازار تھا۔ چھوٹی دکانیں۔ ریسٹورنٹ۔ بار اور لاؤنج دیکھے۔ ایک دکان بھی تھی لیکن بند اگر کھلی ہوتی اس علاقے کے لوگوں کی معیشت میں کچھ نہ کچھ اضافہ کر دیتے۔ لیکن کسی قوم کے نصیب خراب ہوں تو کیا کریں۔ سیاح آ رہے تھے الٹی سیدھی چیزیں گلاب کے نام پر فروخت کر دیتے۔ اب یہ نقطہ انہیں کیسے سمجھاتے۔ زبان سے ناواقفیت پھر پردیس۔ اس لیے اپنی رائے اپنے پاس رکھی۔

کمرے کا ایر کنڈیشن واجبی کام کر رہا تھا۔ رات کا کھانا کھا کر ادھر ادھر ٹہلتے رہے بلیرا نظر نہیں آئی۔ وہ غالباً شہر گئی تھی سیر کرنے۔

صبح روانہ ہوئے۔ ہمیں اٹلس پہاڑ پر جانا تھا۔ جو اس علاقے کا سب سے بلند اور اہم پہاڑ ہے۔ منظر بدلنے لگے۔ بعض جگہ کھیت تھے۔ درخت بھی سرسبز نظر آئے۔ ایک جگہ وادی میں پھول کھلے تھے۔ جولین نے بتایا گلاب ہے۔ ہم نے یقین کر لیا۔ اوپر سے کیا اندازہ کرتے۔ اس بات کی خوشی ہوئی کہ گلاب وادی دیکھ ہی لی۔ اس کے بعد اٹلس پہاڑ پر جا کر برف دیکھیں گے۔ ساتھی برف کے گولے بنا کر ایک دوسرے پر ماریں گے ہم بھی ایرا سوزے اور جین پر گولے پھینکتے ..... قصبہ اٹ بناڈو آیا۔ ایک دکان کے سامنے کوچ رک گئی۔

اس میں عطر چھڑکنے کی رنگین شیشے کی بوتلیں تھیں۔ پتھر کے جانور ناکٹل۔ ٹیبل لیمپ اور نقش و نگار بنے برتن دیکھنے میں اچھے لیکن بھاری۔ ہم دکان دیکھتے رہے۔ سفر کے دوران جگہ جگہ نقش و نگار بنے چمکتے۔ برتن دیکھتے آئے تھے۔ نہ جانے یہ کون خریدتا ہے کچھ سیاح ادھر ادھر سیر کو نکل گئے۔ آدھے گھنٹے کا وقت تھا۔ ہم باہر کھڑے تھے چند عورتیں مرد جمع ہو گئے۔ یہ دیہات میں رہتے تھے ان میں سے ایک مرد نے جولین سے کچھ پوچھا اور جب وہ فرنچ بولا تو ایک شخص نے ہمارا بازو پکڑ لیا۔

"یہ کیا کر رہا ہے....." ہم نے حیران ہو کر پوچھا۔

"چھو کر دیکھ رہا ہے۔ میں نے بتایا آپ امریکہ سے آئے ہیں
یہ یقین کرنا چاہتا ہے کہ وہاں بھی گوشت پوست کے انسان رہتے ہیں....."
"کیا یہ لوگ جانتے ہیں امریکہ کہاں ہے....." ہم نے سوال کیا
"نہیں۔ صرف یہ جانتے ہیں کہ ان کے علاقے کے باہر جو دنیا ہے وہ جنت ہے.....
وہاں سے لوگ آتے ہیں وہ بڑے خوش نصیب ہیں....."

ہمیں احساس ہوا جو ہر وقت ناشکری کرتے ہیں وہ کچے کفران نعمت ہیں..... کوچ میں جا کر ہم بسکٹ کا بڑا پیکٹ لے آئے اور سب کو بانٹ دیئے۔ وہ اتنے خوش ہوئے کہ ہماری آنکھ میں آنسو آ گئے۔ بے وقعت بسکٹ ان کے لیے کیسی نعمت تھی۔ کاش ہمارے پاس کوچ بھر کر بسکٹ ہوتے لیکن ایسا کب ہوا ہے۔ خواہش زندگی کو آگے بڑھاتی ہیں۔ کوچ آگے بڑھ گئی ایک جگہ بورڈ لگا تھا ٹمبکٹو۔ اور ایک طرف نشان بنا تھا۔

"اس کا کیا مطلب ہے"..... ہم نے جولین سے پوچھا۔

"یہ میر ٹمبکٹو کا راستہ بتا رہا ہے۔ اگر اوٹ سے سفر کریں تو صرف 52 دن میں پہونچ سکتے ہیں....." سب لوگ حیران رہ گئے جولین نے ٹمبکٹو سے توجہ ہٹانے کے لیے۔ ایک فوارہ دکھایا۔ یہ چوراہے پر کئی منزلہ تھا اور اس میں پانی بھی تھا۔ اس قصبے میں زیادہ تر بورڈ فرانسی زبان میں لگے تھے۔ یہاں فرانس کے لوگ رہتے ہیں 1956 میں مراکو کی آزادی کے بعد بھی فرانسیسی بڑی تعداد میں یہیں رہ گئے کچھ بورڈ انگریزی میں بھی دکھائی دیئے۔ فرانسیسیوں کے علاوہ دوسرے ملکوں کے لوگ بھی رہتے ہیں۔ سڑک کا ٹریفک کا نظام بہتر نظر آیا۔ ایک جگہ کوچ روک کر بے شمار سیڑھیاں چڑھائی گئیں۔ کیونکہ اس جگہ سے پورے علاقے کی بہترین تصویر کشی ہو سکتی تھی۔

یہاں دو "فلم اسٹوڈیو بھی ہیں۔ دونوں باہر سے دیکھے ایک جگہ مصری فلم "ممی پارٹ ٹو" کا سیٹ لگا تھا۔ کوچ میں بیٹھ کر دور سے دیکھا۔ اس وقت شوٹنگ ہو رہی تھی۔ دن کے باوجود وہاں روشنی کا انتظام تھا۔

قصبہ گزرا تو دونوں طرف خشک پہاڑ شروع ہو گئے۔ بڑے بڑے پتھر ایسے رکھے تھے کہ ذرا سی ہوا چلے۔ کوئی جھٹکا لگے گر پڑیں لیکن سنا ہے برسوں سے اسی طرح اٹکے ہوئے ہیں۔ یہ ہمارے رب کا حکم ہے اس لیے ٹکے ہوئے ہیں۔ اور ہم ان کے درمیان سے خیریت سے چلے

اورنگ زیب قاسمی

آئے۔ پھر خشک میدان شروع ہوا۔ جولین نے یہ بتا کر حیران کر دیا اس علاقے میں انگریزی کی مشہور اور ہماری پسندیدہ فلم ''دی میسج'' کی شوٹنگ ہوئی تھی۔ یہاں باقاعدہ بستی اور خانہ کعبہ کا سیٹ لگایا تھا۔ اس فلم میں حضرت حمزہؓ کا کردار انتھونی کوئن نے ادا کیا تھا۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور اسلام کے ابتدائی دنوں پر فلمائی گئی یہ فلم ہم نے سینکڑوں بار دیکھی اور پسند کی ہے۔ مراکو کے پہاڑ اٹلس کے دامن میں ایک میدان کو اس فلم کے سیٹ لگنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ دوپہر کو ایک ہوٹل میں کھانے کے لیے ٹھہر گئے یہ کیفے پلس ٹکا تھا ہم نے شیش کباب اور کولڈ ڈرنک کا آڈر دیا۔ کھانے نے مایوس کیا ذرا دیر سستا کر روانہ ہوئے تو ایک خشک دیہات نظر آیا۔ پہاڑوں۔ چٹانوں میں الٹے سیدھے بنے مکانات ان پر گاما قبیلے کا قبضہ ہے۔ وہ یہاں رہتے ہیں، اس قسم کے پہاڑوں اور میدانوں پر قبضہ کیا کرتا۔ ان میں رکھا کیا ہے۔ مشکل سے پانی اور سبزہ۔ زندگی ایک خشک چٹان۔ یا بنجر زمین بن کر رہ جاتی ہے۔

اس کے بعد یوں محسوس ہوا ہم پاکستان کے پہاڑی علاقے سوات میں داخل ہو گئے۔ دور تک آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا سبزہ۔ تہہ در تہہ۔ سیڑھیاں در سیڑھیاں کھیت ہرے بھرے۔ درخت پتوں سے لدے۔ مراکو میں یہ پہلا علاقہ تھا جو اتنا سرسبز دیکھا یہ وادی اٹلس پہاڑ کے دامن میں تھی۔ برف پگھل کر اس طرف آئی ہے۔ زمین پیاسی نہیں دنیا کے بلند پہاڑوں میں اٹلس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کوچ اٹلس پہاڑ کی بلندی پر چڑھ رہی تھی۔ راستہ گھوم کر اوپر گیا۔ ذرا دیر بعد کوچ رک گئی۔ ہم پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی پر تھے۔ وہاں دور تک برف کا نام ونشان نہ تھا۔ ہمارے تصور میں برف کا ڈھکا پہاڑ۔ چاروں طرف سفید دودھ کی طرح پھیلا برف۔ جس سے گولے بنا کر ایک دوسرے کو مارتے۔ یہ کیسا پہاڑ ہے۔ ایک جگہ لکھا تھا۔ گول ڈوٹیکیو 2260 میٹر''۔ اتنی اونچائی اور ہر طرف خشک پہاڑ۔ سیاح کے چہرے بھی حیران اب صرف ایک ہی چیز رہ گئی۔ ہر شخص نے کول ڈوٹیکیو 2260 بورڈ کے سامنے کھڑے ہو کر تصویر کھنچوائی۔ یہاں بھی دکانیں تھیں چمکدار رنگین نقش ونگار والے برتن۔ پتھر کی اشیاء۔ سیاح ادھر پھیل گئے جولین جلدی کر رہا تھا کوچ پہاڑ سے اترنے لگی۔

ہمیں اندازہ نہیں تھا۔ پہاڑ اترتے وقت زیادہ خطرناک ہے۔ ایک میدان آیا یہاں بربر خاندان کے مجسمے لگے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا ایک قافلہ جا رہا ہے آگے مرد عورت۔ ان

کے پیچھے بچے۔ ذرا فاصلے پر اونٹ۔ دو بکریاں عورت نے منہ چھپایا ہے۔ یہ اتنا قدرتی منظر دکھائی دیتا ہے کہ ہر ایک نے تصویر بنائی۔ یہاں بھی دکانیں ہیں۔ سیاحوں کی امید میں دوکاندار بیٹھے ہیں۔ ذرا دور ایک اور قافلہ پہاڑوں میں نظر آیا۔ یہ پتھر کے بنے پرکشش منظر ہیں۔

کوچ ایسی سڑک پر آ گئی جس کے ایک طرف پہاڑ دوسری طرف ہزاروں فٹ گہرائی جسے دیکھ کر خوف محسوس ہونے لگا۔ ہماری ساتھی سیاح خواتین زور زور سے قہقہے لگانے لگیں۔ چیخیں مارنے لگیں۔ کوچ سیدھے ہاتھ پر تھی گہرائی سے چند منٹ دور۔ جو گاڑیاں اوپر آ رہی تھیں وہ پہاڑ کی طرف تھیں۔ یہ ایک ایسا راستہ تھا جو مالاکنڈ کے پہاڑوں میں سیدو شریف جاتے ہوئے آتا ہے۔ گہرائی ہمیں خوفزدہ کرتی ہے۔ ایسے میں ڈرائیور کی ذرا سی بھول۔ زندگی کی بھول بن سکتی ہے۔ خواتین کے قہقہے اور چیخیں اس کی توجہ سڑک اور ڈرائیونگ سے ہٹا سکتی ہیں۔ گہرائی اور خوفناک ہو گئی ہمیں غصہ بہت آیا لیکن کچھ کر نہ سکتے تھے۔ پلٹ کر گھورا تو بھی نہیں سمجھیں وادی سے جو ٹریفک آ رہا تھا۔ وہ سست رفتار اور بھاری سامان سے لدا تھا۔ کوچ اسے راستہ دیتی اور ہماری جان پر بن آتی۔ بس اس وقت خدا ہی ہمارا تھا۔ وہی خیریت سے پہونچانے والا ہے۔ ہم گلگت سے راولپنڈی اور اسکردو سے گلگت کا سفر سڑک کے ذریعے کر چکے ہیں اور اونچائی کے خوف سے واقف ہیں۔ اٹلس پہاڑ سے اترتے وقت بھی ایسا ہی خوف ہر طرف چھا جاتا ہے۔

یہ راستہ 20 منٹ بعد ختم ہوا۔ ایک ہوٹل کے سامنے کوچ رکی تو ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ جس نے بچایا۔ جولین نے کہا

''ڈرائیور محمد نے حفاظت سے پہونچایا۔ اس کا شکریہ۔''

اور سب نے تالیاں بجائیں۔

ہوٹل کیفے ٹیرس میں ایک شخص موسمبیاں کاٹ کر تازہ جوس نکال رہا تھا۔ یہ دس درہم کا تھا۔ سیاحوں نے لائن لگائی اور ذرا دیر میں موسمبیاں ختم پیسہ ہضم ہو گیا۔

کیفے ٹیرس کی گیلری سے ہزاروں فٹ نیچے ہری بھری وادی کا دیدار ہو سکتا تھا۔ تصویریں بھی بن رہی تھیں۔ گیلری میں کرسیاں پڑی تھیں۔ موسم خوشگوار تھا۔ کچھ دیر یہاں بیٹھ کر تروتازہ ہوئے اگلی منزل کے لیے۔

مراکش گلابی ہے

ہم کسی وقت سو گئے۔ پہاڑ۔ میدان گزر گئے۔ آنکھ کھلی تو سیاہ چمکدار سڑک تھی دونوں طرف پام کے درخت دائیں طرف سبز پیڑوں سے گھرا باغ اور بائیں طرف دور تک پھیلا سبزہ زار۔ کہاں آ گئے ہم۔

یہ مراکش ہے۔ مراکو کے چار بڑے شہروں میں سے ایک ہے۔ اس سے ہر طرف کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ اس کی ایک سنہری تاریخ ہے۔ اس شہر نے ملک کو نام دیا تھا۔ 1070 میں مسلمان بادشاہ ابو بکر نے بسایا تھا۔ ایک قصبہ قصر الحجر بنایا۔ 1071 میں یوسف بن شفین نے اسے قبضے میں لیا۔ اس کے بیٹے نے مشہور ابن یوسف مسجد تعمیر کرائی۔ اور شہر کے چاروں طرف دیوار کھنچوائی۔ اس نے آب پاشی کے لیے زیر زمین نظام ایجاد کیا۔ مراکش شہر کے لیے یہ زمانہ ترقی کا تھا دارلخلافہ ہونے کی وجہ سے اہل دانش و ہنر مند۔ ماہر فن یہاں آئے

اور شہر جگمگا اٹھا بادشاہ کے عروج و زوال نے مراکش کے اتار چڑھاؤ کی تاریخ لکھی۔ یہ بنتا۔ بگڑتا سنورتا تھا۔ مراکش کیسا بلانکا سے زیادہ افریقی۔ فیاس سے زیادہ بربر لگتا ہے۔ فیاس کا رنگ نیلا مسیکنز یز کا ہرا۔ بر رشید کا پیلا۔ رباط کا سفید اور اسے گلابی شہر کہتے ہیں۔

تمام عمارتیں صرف گلابی رنگ کی ہیں۔ مراکو میں آنے والے سیاحوں کے لیے یہ سب سے پرکشش مقام ہے۔ محکمہ سیاحت مشورہ دیتا ہے کہ نومبر سے مئی تک اس شہر میں آنا چاہیے تھا۔ ہم جون میں داخل ہو رہے تھے۔ سفر سے پہلے یہ ہدایت مل جاتی تو عمل کرتے، اب مجبوری تھی۔

ایک طرف شاہی محل نظر آیا۔ دور تک پام کے درخت سبزہ اور پانی اڑاتے فوارے۔ دوسری طرف میدان اس میں محراب بنی تھی۔ یہاں عید کی نماز ہوتی ہے......

دور تک پھیلی ہوئی گلابی دیوار اس کے اندر مکانات۔ دروازے سیاہ صاف ستھری سڑکیں۔ گلابی عمارتیں۔ رواں دواں ٹریفک۔ یہ شہر قدیم اور جدید کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ کوچ ایک عمارت کے سامنے رک گئی یہ کتنزا ہے۔ مراکش کا ایک بڑا ہوٹل۔ مشہور شاہراہ یعقوب المنصور پر واقع ہے۔ پانچ منزلہ عمارت میں 128 کمرے 8 سویٹ۔ سوئمنگ پول۔ بار لالوتی۔ بار لا کیسا بلانکا۔ چھت پر کیسا بلانکا بار۔ ریسٹورنٹ لیو کیبلز۔ فٹنس کلب سائی ڈی جم۔ سونا۔ حمام سیلون مرحبا۔ سیلون گولیز اور مصروف استقبالیہ سب کچھ فرنچ زبان میں۔ یوں محسوس ہوا ہم پیرس میں ہیں۔ آزادی کے 45 سال گزرنے کے بعد بھی ذہن و زبان پر فرانسیسی چھائے ہوئے ہیں۔ غلامی کا یہی نقصان ہے آج کی شام ہمارے نام تھی۔ کمرے میں جا کر سامان رکھا اور استقبالیہ سے دریافت کیا۔ احباب کو خط بھیجنے کے لیے ٹکٹ درکار تھے۔ حیرت انگیز بات معلوم ہوئی دائیں طرف سوئمنگ پول کے پاس دکان میں ٹکٹ اور مراکش کے سوویز ے ملتے ہیں۔ ہم اس سمت بڑھے ایک دروازہ پھر دوسرا اس کے بعد سامنے نیلے پانی سے بھرا سوئمنگ پول اور اس میں تیرتی جل پریاں ہمیں ٹکٹ کی تلاش تھی۔ جہاں سوئمنگ پول سے نکل کر لوگ بیٹھے تھے کی پشت پر ایک خوبصورت دکان تھی۔ لیکن اس وقت بند تھی۔ دوکان والا زر مبادلے سے اور ہم خرچ سے بال بال بچے۔ جو لین نے بتایا تھا یہاں ڈاک کے ٹکٹ عام دکان پر مل جاتے ہیں۔ اس لیے ہوٹل کا پتہ جیب میں ڈال کر بائیں طرف سفر کیا۔ ہوٹل کے بعد ایک چھوٹی سڑک اور

اورنگ زیب قاسمی

سامنے جنرل اسٹور نظر آیا۔ ہم سڑک پار کرنا چاہتے تھے لیکن ٹریفک بہت اور تیز تھا۔ کئی بار کوشش کی ہر مرتبہ کوئی موٹر سائیکل یا کار ہارن بجا دیتی اور ہم پھر فٹ پاتھ پر چڑھ آئے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ خواتین بڑی تعداد میں موٹر سائیکلیں چلا رہی تھیں۔ برقعہ اوڑھے حجاب لگائے اڑی پھر رہیں تھیں اکثر سائیکلوں کی پشت پر ان جیسی خواتین بیٹھی نظر آتیں۔ ایک دوپہر تو مرد حضرات کو بھی دیکھا ایک بزرگ داڑھی والے نوعمر لڑکی کے پیچھے مطمئن جا رہے تھے۔ ایک بار جان ہتھیلی پر رکھ کر سڑک پار کی اسٹور میں جا کر سانس درست کیا تو خیال آیا اگر یوں ہی مرنا ہے تو کسی موٹر سائیکل والی سے ٹکرا کر جان دیں۔

دوکاندار کی سمجھ میں نہیں آیا۔ ہم کیا مانگ رہے ہیں۔ ''بریڈ'' کا لفظ بولا تو وہ پوسٹ آفس سمجھا اشارے سے بتانے لگا اس طرف جاؤ پھر مایوس ہو کر دیوار پر لگی گھڑی دکھانے لگا مطلب تھا افسوس اس وقت پوسٹ آفس بند ہوگا۔ ہم اپنی عربی کا زیادہ استعمال اس لیے نہیں کر رہے تھے کہ کوئی لفظ غلط بول دیا اس کا مطلب کچھ ایسا ہو جو نہیں ہونا چاہیے تو کون بچائے گا۔ دھول دھپا ہو تو عربی کی گنتی بھی واجبی سی آتی ہے۔ پتہ ہی نہیں چلے گا مخالف نے کتنے گھونسے مارے۔ ہم نے اس میں بہتری سمجھی سامنے رکھی پانی کی بوتل کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے خوش ہو کر دی۔ اور کہا ''خمسہ درہم'' دس تک گنتی یوں ہی سی آتی ہے اس لیے پانچ درہم دیئے تو وہ خوش ہو گیا۔ عربی میں کچھ بولا جس کا مطلب ہوگا ''یار پانی چاہیے تھا تو سیدھا بول دیتے۔ پوسٹ آفس کا پتہ کیوں پوچھ رہے تھے..... ''یہاں پانی کہاں ملتا ہے؟''

ہوٹل واپس آئے تو ٹھنڈا پانی پیا اور پھر استقبالیہ پر آ کر پوچھا ''بین الاقوامی فون کہاں سے کر سکتے ہیں؟'' جو خاتون کاؤنٹر پر تھیں ان کی انگریزی بھی اے سے ایبل اور بی سے بناتا والی تھی اس لیے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر وہ کاؤنٹر چھوڑ کر ہوٹل کے لاؤنج میں آئیں اور ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔ ''سیدھے ہاتھ کی طرف جاؤ۔'' اس بار ہم نے اردو میں کہا ''بی بی اتنی دیر سر کھپانے کی بجائے سیدھا اشارہ کر دیا ہوتا۔ سب سے زیادہ ہماری سمجھ میں یہی آتا ہے۔ تمام عمر اسی میں گزار دی۔ نوجوانوں میں حسینوں۔ جوانی میں استادوں۔ پھر صاحبان اقتدار۔ اور آخیر میں امیگریشن کا اشارہ سمجھا۔'' یہ بات ان کے پلے نہیں پڑی ہوگی۔ ہوٹل کی عمارت سے ملے چند بنگلے تھے اس کے بعد سڑک س پر دو طرف تیز ٹریفک سمجھ میں نہیں آیا یہ لوگ کہاں

بھاگ رہے ہیں پھر ہم نے اس گائیڈ کی ہدایت پر عمل کیا جس نے کہا تھا۔ آنکھیں بند کر کے سڑک پار کر لو۔ لیکن ایک ڈر رہا کہ اگر موٹر سائیکل۔ کار اور بسوں کے ڈرائیور بھی اس ہدایت پر کام کر رہے ہوں تو کیا ہوگا۔ راہ میں ایک دو سڑک خالی ملیں۔

ہم دائیں طرف جا رہے تھے۔ دور سے بائیں طرف ایک روشن پٹرول پمپ نظر آیا۔ وہاں یقیناً ٹیلی فون بوتھ ہوگا۔ ہماری جیب میں فون کارڈ تھا۔ اور امریکہ خیریت بھیجنی تھی۔ سڑک پر اتنی تیز ٹریفک تھی کہ فٹ پاتھ سے پاؤں نیچے اتارنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے آگے بڑھ گئے۔ دو چھوٹی سڑکیں پار کیں تو نظر پڑی دو سڑکیں دو سڑکوں کو کاٹ رہی ہیں۔ ایک سپاہی کھڑا ٹریفک کو روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کچھ لوگ سڑک پار کر رہے ہیں۔ ہم کس طرح اس طرف پہونچے۔ ایک بار جو لوگ ادھر سے ادھر ہوئے تو ہم بھی ساتھ ہو لیے آدھا راستہ پار کیا تھا کہ ٹریفک بحال ہو گیا۔ مجمع تو دوسری طرف بھاگ گیا ہم ہمت نہ کر سکے۔ درمیان میں سپاہی سے لگے کھڑے رہے وہ سمجھ گیا ڈرپوک سیاح ہے۔ مسکرانے لگا اور ایک بار جو ٹریفک رکا تو اس نے دوسری طرف دکھا دیا۔ ہم بھاگ کر فٹ پاتھ پر چڑھ گئے۔ اپنا ملک ہوتا تو کوئی ادارہ ضرور اس بہادری پر ایوارڈ دیتا۔ لیکن پردیس میں تھے۔ وہاں کون قدر کرتا۔ پھر ان کے اپنے لوگ یہ کارنامہ دن میں سیکڑوں بار کرتے ہوں گے۔ گھر کی مرغی دال برابر اور پردیس میں کیا قدر وغیرہ یہی سوچتے پٹرول پمپ کی طرف بڑھے۔ ٹیلی فون بوتھ بھی مل گیا۔ لیکن وہ لوکل اور سکہ ڈال کر بات کرنے والا تھا۔ ہماری بہادری بھاگ دوڑ اور جان کی پرواہ نہ کرنے کا سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔ بڑی مایوسی ہوئی۔ ہم نے پٹرول پمپ والے کو کارڈ دکھایا ہاتھ کا فون بنا کر کان سے لگایا اس نے کچھ کہا نہیں۔ اس طرف اشارہ کر دیا جہاں سے آئے تھے۔ اس وقت غصہ آیا اور افسوس ہوا۔ اگر انگریز اس علاقے پر قبضہ کر لیتے تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ لوگ سمجھتے۔ ہم سمجھاتے وہ تو اچھا ہوا یہاں رہتے نہیں ہیں ورنہ آب و دانے کو ترس جاتے۔ ماہ جبیں اقرار بھی کرتی تو منہ تکا کرتے۔

ہم نے سوچا پٹرول پمپ والا سمجھا نہیں۔ غلط بتا رہا ہے۔ پھر خیال آیا ہوٹل کے لیے تو ہمیں اس فٹ پاتھ پر جانا ہے۔ ذرا دور سپاہی سڑک پار کرا رہا ہے۔ اس سہولت سے فائدہ اٹھا کر اس طرف چلے جائیں فون کال کر لیں گے۔

اورنگ زیب قاسمی

سب کچھ ویسا ہی ہوا۔ ایک بار دوڑ کر سپاہی کے پاس اس کا مسکرانا اور پھر ہمارا بھاگنا۔ اس سے جتنی توانائی ضائع ہوئی ہم جانتے ہیں۔ وہ احباب جو اپنے جسم کی چربی کم کرنا چاہتے ہیں مراکش چلے جائیں۔ ایک بیتے سڑک پار کرنے کا کورس کریں اللہ نے چاہا تو آدھا وزن نہ ہو تو ہمارا ذمہ۔ یہ دھوئی اس لیے کیا ہے کہ کون مراکو جاتا ہے۔ اور اگر گیا بھی تو پہلی دوسری بار سڑک پار کرنے میں دنیا یاد کرلے گا۔ اچانک منزل سامنے آ گئی ایک چھوٹا کیبن اس میں کاؤنٹر جس پر ایک صاحب بیٹھے تھے۔ اور سامنے چار فون بوتھ۔ ہم نے جلدی سے ایک میں فیاس سے خریدا ہوا فون کارڈ ڈالا اور نمبر ملائے۔ مگر جواب ندارد۔ جب کئی بار یہ کر چکے تو کاؤنٹر پر جا کر پوچھا اس نے ہمارے کارڈ کو دیکھ کر انکار میں سر ہلایا اور دوسرا کارڈ دکھایا۔

''کیا یہ کام نہیں کرے گا''..... اشارے سے پوچھا

''نہیں.....'' سر کی جنبش سے بتایا گیا

''ہمارا کارڈ نیا ہے فیاس سے خریدا ہے.....''

''نہیں.....'' شاید کاؤنٹر والے کو صرف نہیں کی انگریزی آتی تھی۔ اس لیے کارڈ مانگا اور 100 درہم کا نوٹ دیا۔ اس نے 53 درہم واپس کر دیئے۔ 47 درہم کا فون کارڈ لیا..... امریکہ میں اہل خانہ کی خیریت معلوم کرنی تھی یہ کارڈ جلدی ختم ہو گیا..... مراکش میں ہر ایک کو جلدی ہے۔

ہم انتہائی خوش واپس آ رہے تھے۔ موٹر سائیکلوں پر خواتین کی تعداد بڑھ گئی۔ شاید دفتر کا وقت ختم ہوا تھا۔ ایک چھوٹی سڑک پر حجاب لگائے خاتون ہمارے پاس سے اس تیزی سے نکلیں کہ ان کا برقعہ چھوتا ہوا گزر گیا..... ایک اور سڑک کے لیے ہم نے فٹ پاتھ پر قدم اتارا تو ہزاروں میل کی رفتار سے ایک خاتون موٹر سائیکل پر نمودار ہوئیں اور غصے میں ہارن بجایا۔ اگر ہم بچ نہ جاتے۔ تو صرف ایک چھوٹی سی خبر بن کر رہ جاتے۔ ہمیں پورا یقین ہے وہ اپنے شوہر سے ناراض ہو کر خودکشی کرنے جا رہی تھیں اس قسم کے ٹریفک پر ہر خون معاف ہوتا ہے۔ ہم نے اگلے دن کا اخبار نہیں دیکھا۔ اور کیوں دیکھتے نہ عربی آتی ہے۔ نہ فرنچ کی سمجھ ہے یقیناً ان کی خودکشی کی خبر چھپی ہوگی۔ آج بھی ان کا گلاب چہرہ اور غصے سے بھری آنکھیں تنی ہوئی بھویں اور ماتھے پر بل یاد ہیں۔

ہمارا خیال ہے۔ ٹریفک کی رفتار کی حد مراکش میں کم از کم سو کلومیٹر اور حسین خواتین کے لیے ڈیڑھ سو ہوگی۔ ذرا بڑی عمر کی خواتین بیشک پچاس ساٹھ کی رفتار سے چلاتی ہوں گی۔ انھیں کون کیا کہے گا۔

زندگی میں اکثر لوگ حسینوں کے ہاتھوں مرنا پسند کرتے ہیں۔ شاعر تو ارمان کرتے ہیں۔ نوجوانی میں ایک دو بار ہم نے سوچا تھا کوئی چاند چہرہ ستارہ آنکھیں مار دے۔ شاعر ادیب اور نوجوان نقاب میں مراکش کی حسین جمیل نوعمر خواتین کو طوفان کی طرح موٹر سائیکل چلاتے دیکھیں تو حسینوں کے ہاتھوں بھول کر بھی مرنے کی خواہش نہ کریں۔

اپنی جان بچا کر ہوٹل کی سیڑھیاں چڑھیں تو ڈنر کا وقت ہو گیا تھا۔ مراکو میں پہلی بار بوفے ڈنر کھانے کا اعزاز حاصل ہو رہا تھا۔ ہمارے گروپ کی نشستیں الگ تھیں۔ کنزا میں سیاحوں کا میلہ لگا تھا۔

کھانے ایک طرف سے دوسری سمت تک پھیلے ہوئے۔ درجنوں سلاد جن میں بیشتر میں زیتون تھے۔ ہرے اور کالے رنگ کے۔ کئی قسم کا دہی تھا۔ مچھلی گوشت دال چاول اور ایسے کھانے نہ جن کے نام سے واقف نہ ذائقے سے آشنا۔ ہمارا اصول ہے پردیس میں ناواقف کو منہ نہ لگائیں اس لیے وہ کھانے محروم رہے۔ ڈبل روٹی کے ٹکڑے تھے۔ بعض موٹے لمبے ڈنڈے کی طرح اس کے ساتھ بڑی چھری رکھی تھی خود کاٹو کھاؤ۔ یہ باہر سے سخت اور اندر سے نرم ہوتی ہے۔ ہمیں پسند ہے۔ مراکو فرانس کے زیر اثر رہا ہے۔ یہ فرانسیسی ڈبل روٹی ہے۔ آخیر میں سوپ۔ مکھن اور پنیر دکھائی دیا ہم نے سوپ لے کر کھانے کا آغاز کیا۔ وہ غنیمت تھا۔ مراکو والے ملکہ مسور کی دال رغبت سے کھاتے ہیں۔ یہ ہماری پسندیدہ ہے یہ لوگ اس میں زیادہ پانی نہیں ڈالتے۔ یعنی شوربا نہیں ہوتا۔ یہ بھی اچھا ہے۔ سوزے دال پسند کر رہی تھی۔ ہم نے بتایا یہ ہمارے ملک کی پیداوار ہے۔ یہ بتا کر ہم انہیں تصور میں پاکستان لے گئے۔ اس کے کھانوں مٹھائیوں۔ پھلوں اور لوگوں کی تعریف کی تو سب ہی متوجہ ہو گئے پیٹرا بھی متاثر تھی۔ مینا سوئے کی جون تو یوں بھی ہماری صلاحیتوں کی اس وقت سے قائل تھی جب سے ہم نے اسے قالین خریدتے وقت مشورہ دیا تھا۔ رابن بھی سن رہا تھا..... ہر ایک کا سوال تھا چاول کیسے پکائیں۔ دال کا سالن کس طرح بنتا ہے۔ امریکہ والوں سے تو خطرہ کیا چاول اور مصالحے

اورنگ زیب قاسمی

نیویارک سے بھجوائیں گے سوزے نے کہا

"دسمبر میں میری چھٹیاں ہوں گی۔ دو تین دن کے لیے میرے پاس آ جائیں اکیلی رہتی ہوں۔ خوب کھانے پکائیں گے۔ میں ایسا اسٹیک کھلاؤں گی یاد کریں گے....."

ہماری ساری توجہ سوزے کی طرف ہوگئی..... کھانے سے موسم اور سیاست پر بات چل نکلی۔ اس سب میں ظاہر ہے پاکستان سب سے آگے تھا۔ وہ سب لوگ ہمیں خوش نصیب سمجھنے لگے کہ ایک بڑے ثقافتی سماجی سیاسی ملک میں رہتے ہیں۔

اس عرصے میں ایک سانولے رنگ کی ویٹرس ہم پر بے حد مہربان تھیں۔ مختلف کھانے لا کر دے رہی تھیں ہم بھی مسکرا مسکرا کر دیکھ لیتے۔ وہ ہمارے ٹیلی وژن کی ایک فنکارہ جیسی لگتی تھیں۔ وہ بھی ہم سے کوئی رشتہ جوڑ رہی ہوں گی۔ شاید ہمارا ہم شکل ان کے علاقے میں اونٹ چلاتا ہو یا اندر باورچی خانے میں سوپ بنا رہا ہے۔

کھانا ختم ہوا۔ ہال خالی ہوگیا۔ تب ہم لوگ باہر نکلے۔ سب ادھر ادھر ہوگئے۔ ہم سوئمنگ پول کی طرف گئے۔ وہاں سناٹا تھا پانی اوپر لگی روشنیوں سے نیلا ہو رہا تھا۔

ہم سیڑھیاں اتر کر ہوٹل کے باہر فٹ پاتھ پر کھڑے ہوگئے ابھی تک ٹریفک میں وہی تیزی تھی۔ جو لوگ دن میں سڑکوں پر دوڑیں لگاتے ہوں گے۔ وہ گھر چلے گئے ہیں۔ ان کی جگہ رات کی شفٹ کے لوگ بھاگنے لگے۔ تاکہ سڑکیں خالی نہ رہیں۔ مراکو میں یہ پہلا شہر دیکھا کہ جاگ رہا ہے۔ حرکت میں تھا۔ مراکش واقعی بڑا شہر ہے۔ ہم جانے کب تک کھڑے نظارہ کرتے رہے۔ اچانک کسی نے آواز دی

"معاف کیجیے۔"

پلٹ کر دیکھا تو سوزے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ ہم نے سوچا "آج رات انہیں چہل قدمی کو جانا ہوگا۔"

"آپ کو ایک تکلیف دینی تھی۔ میں اور جون اس ہوٹل کی چھت پر بنی بار میں جانا چاہتے ہیں۔"

"ضرور شوق سے جائیں....."

"آپ کے ساتھ....."

"ہمارے ساتھ وہ کیوں....."

"اوپر بار میں خواتین صرف مرد حضرات کے ساتھ جا سکتی ہیں۔"

"اوہ..... اس میں شراب پینے کی شرط تو نہیں ہوگی۔"

"نہیں درخواست ہوگی....."

"جی نہیں شکریہ۔ ہم آپ کے ساتھ چل سکتے ہیں۔"

"آپ کو الوداع کہہ کر چھت پر گئے تو بتایا گیا کہ مرد کے ساتھ آئیں۔ آپ کو سوئمنگ پول کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ وہاں گئے تو کوئی نہیں تھا۔ اچانک استقبالیہ سے آپ پر نظر پڑی۔ آپ کو تکلیف ہوگی۔"

"ایسی تکلیف آپ ہر رات دیں....." انہیں کیا بتاتے ایک رات فیاس میں بھی ہمیں مرد بنایا گیا تھا۔

لفٹ کے پاس پہونچے تو جون کھڑی تھی۔ ایرا کو بھی ساتھ لیا ہوا تھا۔

"تم شراب پیتی ہو....." ہم نے ایرا سے پوچھا۔

"ذرا سی بیئر....." اس نے جھجک کر کہا۔

ہم کیا نصیحت کرتے۔ لفٹ سے اوپر پہنچے تو عجیب منظر دیکھا بہت سی خواتین حضرات بیٹھے تھے چھت پر پھولوں کے گملے تھے۔ خوبصورت روشنیاں اور مراکش کا جگمگاتا شہر ایک شخص آہستہ آہستہ بربط بجا رہا تھا اس کا جادو ہر طرف چھایا ہوا تھا۔

"اوہ..... واو....." ہم نے کہا۔

"اچھا ہے نا....." جون بولی۔

"بہت اچھا ہے....."

رات کی ہلکی خنکی لطف دے رہی تھی۔ ویٹر نے کارڈ دکھایا تھوڑی دیر بعد آرڈر لیا۔ ہمارے لیے انناس کا رس منگایا گیا۔ پھر سب نے گلاس ٹکرائے۔

رات بھیگتی رہی۔ جون سوزے ایرا آہستہ آہستہ ہنستی رہیں۔ ہلکی موسیقی اور مراکش کا جادو..... جانے کب تک چھایا رہا۔ بس اتنا یاد ہے یہ ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔

یا جیبی

کنزا ہوٹل نے کمال کر دیا صبح ناشتے میں ڈھیروں ڈبل روٹیاں بند۔ جوس انڈے دلیہ۔ میٹھی پوریاں۔ ہر وہ چیز جو مل سکتی تھی موجود تھی ہم دو ایک چیزیں لے کر میز کے گرد بیٹھے تو ایک میزبان خاتون کئی باریک پیسٹری اور گرم میٹھی پوریاں لے کر آئیں۔ ایک بار کافی بھی لائیں۔ یہ مہمانوں کی خدمت کے لیے مامور تھیں ایک میز پر ایک بڑے میاں دیر سے ناشتہ کر رہے تھے انہوں نے سرخ ترکی ٹوپی اور لمبا رنگین چوغا پہنا ہوا تھا۔ مراکو میں پہلی بار کسی کو سرخ ترکی ٹوپی پہنے دیکھا۔ اور عجیب طرح کا چوغا۔ ہم نے جا کر ہاتھ ملایا خیریت پوچھی اپنا تعارف کرایا وہ انگریزی سے واقف تھے۔ خوش ہوئے ہم ایک اور کافی کا کپ لینے گئے واپس آئے تو دیکھا گائیڈ جولین ان کے پاس بیٹھا ناشتے کی تیاری کر رہا ہے۔

ہم دوبارہ اس میز پر آئے تو جولین نے بتایا۔ آج مراکش کی سیر یہی بڑے صاحب

کرائیں گے۔ نامی گرامی گائیڈ ہیں۔ اس شہر میں سب انہی کے شاگرد ہیں موصوف کی عمر 75 سال سے کیا کم ہوگی ٹوپی کے بارے میں معلوم ہوا یہ فیاس کی ہے۔ اور پورے ملک میں صرف یہی پہنتے ہیں۔ ماضی سے رشتہ جوڑنے کے لیے ورنہ اب نہ یہ ٹوپی بنائی جاتی ہے اور نہ کوئی استعمال کرتا ہے۔

صبح نو بجے کوچ میں سوار ہوئے۔ جولین نے تعارف کرایا

''یہ شگر ہیں۔ مقامی لوگ گائیڈ چاچا کہتے ہیں۔ مراکش کو ان سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔'' جولین نے ان کا تعارف کرایا اور چلا گیا۔

شگر چاچا نے بتایا۔ اس گلابی شہر کے بارے میں ایک مقولہ مشہور ہے۔ ''جلدی کریں ورنہ مراکش میں کھو جائیں گے۔''

ہمارا تجربہ ہے جلدی سڑک پار کریں ورنہ جان کھو دیں گے.....

مراکش شہر گلابی اور سڑکیں سیاح ہیں۔ یہاں گلابی کے علاوہ کوئی رنگ نہیں فروخت ہوتا ہوگا۔ گھروں۔ دفتروں ریسٹورنٹ کے اندر کی بات الگ ہے ایک بڑی سڑک کے بائیں طرف پرانے شہر کا علاقہ تھا۔ یہ ایک گلابی فصیل کے اندر تھا۔ اس میں دروازے لگے ہیں۔ پرانے زمانے میں شام 6 بجے بند کر لیے جاتے تھے۔ بربر قبیلے کے ڈر سے۔ اب یہ ملحان ہیں۔ راوی چین لکھتا ہے..... اور دروازے کھلے رہتے ہیں۔ فصیل کی دیواروں میں سوراخ ہیں۔ جن میں گولہ بارود رکھا جاتا ہے۔ اگر دشمن آئے تو اسے مارنے کے لیے۔ یہ دشمن بربر قبیلہ تھا۔ بڑا رعب تھا۔ اس لیے ایک جھٹکے میں اسپین فتح کر لیا۔ ساڑھے سات سو سال حکومت کی۔ اس قصبے کے آگے چار سڑکیں ادھر سے ادھر جاتی ہیں۔ ہم دائیں طرف چلے۔ سامنے مینارہ باغ تھا۔ شگر چاچا نے اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے درختوں کے گن گائے۔ ان کی شان میں قصیدے پڑھے۔ تب احساس ہوا وہ واقعی درجہ اول گائیڈ تھے۔ باغ میں داخل ہوئے بڑا گیٹ پار کیا۔ دونوں طرف درخت تھے۔ ان میں پودے۔ کچھ پھول۔ پتے۔ یہ باغ گیارہویں صدی کا ہے ہمارے دل نے یہ بات تسلیم نہیں کی۔ اتنے زمانے میں تو جنگل صحرا اور پہاڑ ریت بن جاتے ہیں۔ اظہار کرتے تو شگر چاچا کہتے 75 سال سے تو میں دیکھ رہا ہوں ایک جگہ گاڑیاں پارک تھیں۔ وہیں رک گئے اور شگر چاچا کی رہ نمائی میں آگے بڑھے سامنے

اورنگ زیب قاسمی

سیڑھیاں تھیں اس پر چڑھے تو ایک بڑی حوض ہے۔ اسکی لمبائی 600فٹ اور گہرائی 6فٹ ہے۔ پہلے تیراکی کے لیے استعمال ہوتا تھا اب محکمہ آب پاشی کام لیتا ہے۔ یہاں سیاحوں کا ہجوم تھا۔ شوگر چا چا ذرا دور لے کر چلے۔ ایک جگہ کوئی سیاح نہیں تھا۔ انہوں نے ڈبل روٹی کے ٹکڑے پانی میں ڈالے اور تالیاں بجانے لگے۔ سب سے کہا۔ ایک آواز میں بولیں "یا حبیبی"

سب نے یا حبیبی کہا..... اور ذرا دیر میں ڈھیروں مچھلیاں اس جگہ جمع ہوکر اچھلنے لگیں۔ شگر چاچا کا کہنا تھا۔ یہ یا حبیبی کے لفظ سے آشنا ہے تالی بجاؤ آواز دو۔ یہ آجاتی ہیں۔ مچھلیوں کا کھیل ڈبل روٹی کے خاتمے کے ساتھ اختتام کو پہونچا۔ اب حوض کے دوسری طرف جانا تھا۔ جب سب لوگ منہ پھیر کر چلے گئے تو ہم نے کئی بار تالی بجائی اور یا حبیبی کہا لیکن یا حبیبی سے کسی کا پیٹ نہیں بھرتا مچھلی یوں آتی وہ جانتی ہے اگر ہمارے پاس ڈبل روٹی ہو تو خود کھالیں گے مچھلی کو کیوں دیں۔ جو کھا کر چلی جائے۔ اس تالاب میں اٹلس پہاڑ سے پانی آتا ہے۔

ہم نے تو وہاں ایک کلو برف تک نہیں دیکھا۔ زمین کے اندر سے آتا ہو تو خدا بہتر جانتا ہے۔

اس جگہ زیتون کے درخت تھے۔ شگر چا چا کا کہنا تھا یہ تین سو سال پرانے ہیں۔ ضرور ہوں گے۔ زیتون کے بارے میں ہماری معلومات اتنی ہی ہے جتنی شگر چا چا کی آم کے بارے میں ہوگی..... زیتون کے تین طرح کے پھل ہوتے ہیں شروع میں ہرے..... پھر سرخ۔ بعد میں کالے۔ پہلے اور دوسرے رنگ کے کھانے کے لیے اور تیسرے تیل نکالنے کے لیے۔ ویسے آپس کی بات ہے تمام زیتون کھائے جاتے ہیں۔ ہم نے نہیں کھائے لیکن ہوٹل ریسٹورنٹ میں ناشتے سے رات کے کھانے تک دیکھا لوگ ذوق وشوق سے کھا رہے ہیں۔ اچار تو ایک بار ہم نے بھی چکھا۔ اور رائے محفوظ رکھتے ہیں۔ نہ جانے کسے برا محسوس ہوجائے۔ اور گزر بسر زیتون پر ہوجائے۔

کوچ میں بیٹھ کر دوبارہ شہر کی سیر کو نکلے تو دور سے ایک مسجد نظر آئی۔ مراکو میں مسجدوں کے مینار مرکزی عمارت کے برابر ہوتے ہیں اور چوکور۔ یہ مراکش انداز تعمیر ہے۔ اسے مینار کتابیہ کہتے ہیں ایک روایت کے مطابق جب شہر کے بیچوں بیچ یہ مینار بنایا جارہا تھا تو اس نے اتنا خون بہایا کہ مراکش سرخ ہوگیا ہم خواہ مخواہ سمجھ رہے تھے کہ سرخ رنگ انتظامیہ کا کارخانہ

ہے۔ سرخ رنگ فروخت کرنے والے ترویدی بیان دے گئے ہیں۔

اس روایت کا شگر نے ذکر نہیں کیا۔ شگر چا چا نے بتایا یہ بارہویں صدی میں تعمیر ہوا۔ اس جگہ کتابیں فروخت ہوتی تھیں غریب طالب علم یہاں سے کتابوں کی بولی لگا کر سستے داموں خریدتے تھے۔ اسی لیے مینار کا نام کتبیہ رکھا ہے۔ تعجب ہوا وہ طالب علم کہاں گئے جو کتابوں کے لیے اتنی کوشش کرتے تھے۔ نہ جانے وہ کتابیں کیسی ہوں گی جنہیں ذوق وشوق سے خریدا جاتا ہوگا۔ اس مینار اور مسجد میں وقتاً فوقتاً تعمیر ہوتی رہی۔ یہ سیمنٹ اور اینٹوں سے تعمیر ہوا ہے۔ 77 میٹر اونچا اور 25 میٹر چوڑا ہے۔ اس میں اوپر سے نیچے تک چھ کمرے ہیں جس طرح پیرس ایفل ٹاور کی وجہ سے شناخت کیا جاتا ہے۔ مراکش کی پہچان گلابی مینارہ کتبیہ ہے۔ جمعہ کے دن اس پر جھنڈا لگا دیا جاتا ہے۔ تاکہ لوگ سمجھ سکیں آج چھٹی کا دن ہے ویسے کہاں یاد رہتا ہوگا۔ زندگی اتنی مصروف ہے۔ مراکش کی سڑکوں پر ٹریفک دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے اس شہر کے لوگ بھاگ رہے ہیں۔ انہیں ایک دن چھٹی کا احساس دلانے کیلئے مینار پر جھنڈا لگانا بے حد ضروری ہے مینار میں مختلف سوراخ ہوتے ہیں۔ دو کا مطلب خدا اور رسول تین کا مطلب تین مذہب اسلام عیسائی اور یہودی۔ چار کا مطلب آگ ہوا پانی مٹی اور پانچ کا مطلب نمازیں اور اسلام کے بنیادی پانچ ستون۔

مینار کے اوپر سونے کا ایک گولہ لگا تھا۔ شوگر چا چا نے بتایا۔ شہنشاہ حسن کی ملکہ نے رمضان میں ایک شام اذان کی آواز سمجھ کر روزہ افطار کیا۔ بعد کو افسوس ہوا اور کفارے کے طور پر اپنے تمام زیورات پگھلا کر مینار کے اوپر ایک گولہ بنادیا۔ یہ آج بھی نظر آتا ہے۔ زیورات کا اس سے بہتر اور کیا استعمال ہوتا۔ کاش اس روایت سے سربراہان مملکت کی بیگمات سبق لیں اور اپنے بعد زیورات کو میوزیم میں رکھوانے سے بہتر زندگی میں کوئی نیک کام کرجائیں۔

شوگر چا چا نے کوچ روک دی اور سڑک پر کھڑے ہوکر سیاحوں کو دوسری طرف لے گئے۔ ایک بڑے کالے گیٹ سے اندر داخل ہوئے سامنے مینار کتبیہ کی مسجد تھی۔ مراکو میں دو مسجدوں کے علاوہ کسی میں غیر مسلم اندر نہیں جاسکتے۔ دور سے نظارہ کرتے رہے۔ چاچا نے کہا "ہم شاہی محل دیکھنے جائیں گے ہر سیاح 10 درہم نکالے" تب یہ جمع ہوگئے تو بڑی مشکل سے دوبارہ سڑک پار کرائی۔ عجیب آدمی ہے۔ دس درہم جمع کرنے کے لیے سڑک پار کرائی۔ خواہ

مخواہ گیٹ کے اندر لے گئے۔ لیکن ہر گائیڈ جانتا ہے جب تک سیاحوں کو بھگا کر۔ دوڑا کر۔ تھکا نہ دے۔ سیاحت پوری نہیں ہوتی۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ شگر چا چا واقعی استاد گائیڈ تھے۔

دسویں صدی کے وسط میں سلطان یوسف بن تاشفین نے مراکش کو بہت ترقی دی۔ اسپین سے آنے والی دولت کا بڑا حصہ اس شہر کی خوبصورتی میں اضافے کے لیے خرچ کیا گیا۔ جب 44 سال حکومت کرنے کے بعد اس کا انتقال ہوا تو اپنے بعد آنے والوں کے لیے وہ مراکش کو ایک جوہر نایاب بنا گیا تھا۔ اس کے بیٹے نے مراکش کے لیے بہت کام کیا۔ محل اور حمام بنوانے کے علاوہ آب پاشی کا زیر زمین ایسا نظام بنایا جو آج تک جاری ہے۔ منارہ باغ میں اسی کے ذریعے پانی آتا ہے۔ مراکش کے باغ اور سبزہ زار اس لیے تروتازہ ہیں۔ سلطان یوسف کے بیٹے نے ہسپانیہ سے ماہر تعمیرات بلوائے اور حسین عمارتیں بنوائیں۔ اس کے بعد آنے والے بادشاہوں نے عمارتوں کو اپنے انداز سے بنوایا۔ دارالخلافہ مراکش سے فاس گیا پھر مراکش صدر مقام بنا۔ عمارتیں بنتی۔ گرتی رہیں۔ بادشاہ حکومت کر کے زیر زمین جاتے رہے اور تاریخ کے صفحات بھرتے گئے۔

ایک جگہ کوچ رک گئی۔ پیدل سفر شروع ہوا۔ فٹ پاتھ پر چلنے لگے پھر ایک تنگ سڑک۔ شگر چا چا نے سڑک پار کرائی۔ ایک اور فٹ پاتھ ٹوٹا ہوا۔ اونچا نیچا رستہ پھر ایک بازار اوپر سے چھت۔ دکانیں مرچ۔ ہلدی۔ دھنیہ۔ آٹا اور چاول سے بھری۔ یہ تھوک مارکیٹ تھی ان کی مخصوص خوشبو ہر طرف بسی تھی۔ خواتین ان دکانوں پر بھی اٹکنا چاہتی تھیں۔ لیکن شگر چا چا نے کوئی بر بر جڑی بوٹی کھائی تھی رکنے کا نام نہ لیتے۔ سیدھے چلے جا رہے تھے۔ کسی خاتون کو خریداری کا موقع نہ ملا۔ دوکاندار بھی مطمئن تھے یہ گزرتے ہوئے سیاح ہلدی مرچیں کہاں خریدیں گے۔

یہ سفر ایک گیٹ پر رک گیا۔ شگر چا چا نے سیاحوں کی گنتی کی مطمئن ہو کر ٹکٹ خریدے۔ جون کے حوالے کئے۔ اس نے تقسیم کرنے شروع کیے۔ ٹکٹ پر 10 درہم کے علاوہ کچھ پڑھا نہ گیا۔ عربی تھی یا فرنچ۔ اس کی ضرورت بھی کیا تھی جہاں ہم ٹکٹ وصول کر رہے تھے یہ دروازہ پھولوں کی بیلوں سے ڈھکا تھا۔ جو راستہ اندر جاتا تھا۔ اس کے دونوں طرف پام کے خوبصورت

درخت تھے۔

یہ باھیہ محل ہے۔

سلطان مولوی الحسن کے وزیر اعظم احمد بن موسیٰ نے 1899 عیسوی میں ایک بڑی زمین پر تعمیر کرایا۔ اسے وزیر اعظم ہاؤس کہہ سکتے ہیں۔ اس میں 130 کمرے اور تین باغ ہیں ایک حصے میں شاہی خاندان کے افراد رہتے ہیں جو محل کی دیکھ بھال کرتے ہیں وہ حصہ نہیں دکھایا گیا۔ ہم نے بھی اصرار نہیں کیا۔ شاہوں کا دور گزر گیا ہے۔ باقیات کو کیا دیکھنا۔

وزیر اعظم ہاؤس میں جہاں اجنبی پرندہ پر نہ مار سکتا ہو۔ وہاں ہم شگر چا چا کے ساتھ دندناتے ہوئے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جا رہے تھے۔ سیاحوں کا غول کا غول تھا۔ درو دیوار کو حیرت سے دیکھتے۔ گائیڈ حسب توفیق مزید حیران کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔

بادشاہوں کے زمانے میں بھی سیڑھیوں کا رواج تھا۔ تین اوپر چار نیچے۔ گائیڈ کا اصرار نیچے دیکھ کر قدم بڑھاؤ۔ دوسرے ہی لمحے کی دیوار، در اور راہ دری کو دیکھنے کی ہدایت۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ اندھیری تنگ گلیاں تھیں۔ بڑے کمرے۔ فوارے۔ رنگین نقوش۔ پتھر سے کام۔ ایک دو جگہ درختوں۔ بیلوں کی وجہ سے پرندوں کی آوازیں۔ سب کچھ تھا بادشاہ کے وزیر اعظم موجود نہیں تھے۔ ہر طرف خوبصورت اور حسین نقش و نگار۔ دل خوش کرنے والے دریچے۔ ماہروں نے رنگوں سے گلزار بنائے ہیں۔

استقبالیہ ایک بڑا ہال تھا۔ یوں محسوس ہوا ہم الحمراء میں سیر کر رہے ہیں۔ الحمراء چھوٹا اور یہ بڑا زیادہ حسین۔ کئی جگہ پھولوں کی شاخیں جھکی ہوئی تھیں۔ بڑے کوری ڈور اور دالان ان کے بیچوں بیچ فوارے لگے تھے۔ فرش خوبصورت حسین پتھروں سے بنا تھا۔

شگر چا چا ہر کمرے کو بیڈ روم بتا رہا تھا۔ بادشاہوں کی رنگین داستان سنا رہا تھا۔ ایک دو بار اس نے ہماری گواہی بھی چاہی۔ ہم کیا کہتے چپ رہے۔

ایک کمرے میں داخل ہوئے تو چھت حسین کام سے سجی تھی۔ دیواروں کے درمیان ایک سنہری رنگ کی پٹی نیلے رنگ کے بارڈر کے ساتھ نظر آئی۔

''اس جگہ بادشاہ چٹکی چٹکی کرتا تھا''...... شگر چا چا نے کہا سیاح ہنسنے لگے۔ پھر گائیڈ نے کہا ''وزیر اعظم کی 500 بیویاں تھیں۔ ہر وقت عیش کرتا تھا......''

اورنگ زیب قاسمی

ہمیں غصہ آ گیا۔ چا چا سیاحوں کو خوش کرنے کے لیے مسلمان بادشاہوں کے بارے میں غلط تاثر دے رہا تھا۔ ہم نے کہا "کیا تم اپنے ہوش میں ہو۔ کوئی شخص پانچ سو بیویاں رکھ سکتا ہے۔"

"ان کے پاس کام ہی کیا تھا....." شگر چا چا بولا۔

"آج سے زیادہ کام تھا۔ محلاتی سازشیں تھیں۔ باہر دشمنوں کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ پھر رعایا کی بھلائی۔ تعمیراتی کام....." ہم نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا..... شگر چا چا چپ ہو گیا۔

یہ بات کسی کو بھی اچھی نہیں لگی۔ وہ تو بادشاہوں کے بارے میں رنگین راتوں کی باتیں سننے آتے اور عشرت کدے دیکھنے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ مراکو کے گائیڈ انہیں خوش کرنے۔ چند سکے بخشش کی وجہ سے تاریخ بگاڑ رہے ہیں۔ کردار کشی کر رہے ہیں۔ اس کا افسوس ہے۔

اک دکان سو علاج

مراکو میں علاج معالجے کی سہولتیں کم ہیں۔ غریب ملک ہے۔ بیماری یہ بات نہیں جانتی اس لیے لوگ بیمار پڑتے ہیں۔ اس سے نجات کے لیے ایک راستہ نکالا ہے۔ جڑی بوٹیاں۔ درخت کی چھال۔ پتے پھول۔ کاڑھے ابال کر۔ چھان کوٹ کر مریض کو دے دیا۔ وہ دوا سے محروم نہیں رہا۔ ہم نے بازار میں اکثر دکانوں پر ہری سوکھی۔ سکڑی۔ پھیلی۔ شاخیں بیلیں۔ پتے۔ جڑیں دیکھی تھیں اور کبھی سوچا نہیں تھا مراکو میں رہنے والی بڑی آبادی کا یہ درد دور کرتے ہیں۔ اطمینان دلاتی ہیں۔ ان سے علاج ہوتا ہے یا ہر بلا سے آزاد ہو جاتا ہے۔

شگر چا چا اور جولین مراکش میں ایک دکان پر لے گئے۔ اس کے دو حصے الماریوں سے بھرے تھے۔ اس میں ہر سائز کے نمونے کی بوتلیں۔ پیکٹ اور ٹیوب رکھے تھے۔ بیٹھنے کا انتظام تھا۔

اورنگ زیب قاسمی

باہر گرمی تھی اندر ایر کنڈیشن چل رہا تھا۔ اندر داخل ہوکر اطمینان کا سانس لیا۔ ایک چرب زبان دکاندار اور اس کے دو ساتھی تھے۔ جو حملہ آور ہوئے۔ پہلے تعارف میں بتایا'' اس دکان میں بربر دیسی دوائیاں ہیں'' پھر ایک ایک دوا کے بارے میں بتایا جانے لگا۔ ساتھ ساتھ دوا دکھائی اور سنگھائی جاتی تھی۔ یہ ایک طرف سے ہاتھوں ہاتھ دوسری طرف تک جاتی خواتین زیادہ دلچسپی لے رہی تھیں۔ چہرے کی شادابی۔ ہونٹوں کی لالی کے لیے چھال۔ سر کے درد کے لیے بیجوں کا بام۔ نیند کے لیے پتے۔ سکون کے کلیجے کالی پھلیاں۔ توانائی کے لیے جڑ کے ٹکڑے۔ بکری کے کھر۔ مینڈھے کی سینگ۔ دونبے کی چربی۔ اس کے بعد کھانے کے مصالحے مرچیں۔ ہلدی۔ لہسن ادرک۔

ہمارا خیال تھا مغرب میں رہنے والے ترقی یافتہ لوگ ان چیزوں پر کیا توجہ دیں گے۔ لیکن جب دکان دار سیاحوں سے آڈر لینے لگا تو سب بے چین ہوگئے۔ چہرے کی شادابی لئے سوزے تڑپ اٹھی۔ ہونٹوں کی لالی کے لیے ہیرا نے آڈر بک کرایا۔ توانائی کے لیے جون بے چین ہوگئی۔ ایرا کو توانائی چاہیے تھی۔ ذرا دیر میں صحت مند۔ تروتازہ توانا لوگ بیمار نکل آئے۔ آرتھرآئیٹس سے سر درد اور کم خوابی سے ہاضمے کے شکایت تک بات پہونچی۔ سوزے نے تیزی سے مصالحے خریدے تو ہم سمجھ گئے۔ کہ دسمبر کی برف باری میں ہم سوزے کے فلیٹ میں انواع و اقسام کے کھانوں کا اہتمام خواب ہوجائے گا۔ یوں محسوس ہوا یہ سارا منڈوا ہمیں محروم کرنے کی سازش کا حصہ تھا۔ کیا کرتے چپ چاپ دکان دار کی لن ترانی سنتے رہے۔ دنیا میں ہر چیز فروخت ہوسکتی ہے۔ مٹی تک۔ بیچنے والے کو اشیاء کی خوبیاں بتانے کا ہنر آتا ہو۔ یہ زمانہ مارکیٹنگ کا ہے۔ لوگ پورا ملک اور قوم فروخت کردیتے ہیں۔ مراکو میں بربر کے نام پر سب کچھ بک رہا ہے۔

لوگوں کے تھیلے بھر گئے۔ اور پھر لائن لگ گئی۔ ادائیگی کے لیے۔ سب سے پہلے سوزے نے درہم دیئے...... اور باہر نکل آئی۔ وہ خوش تھی اسے کری مصالحے مل گئے تھے۔ ہمیں دکان میں کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ اس لیے باہر نکلے تو دیکھا ایک عورت برقعہ پہنے حجاب لگائے سوزے کے الٹے پاؤں کے ٹخنے پر مہندی کے کون سے گل بوٹے بنا رہی ہے اور سوزے خوش ہے۔ اس کے گورے پاؤں پر پھول اچھے لگ رہے تھے۔ اتنی دیر میں سب لوگ ہاتھوں میں تھیلے اور

چہرے پر بیماری سے نجات کی خوشی لیے باہر نکل آئے۔ چاچا شگر اور جولین ایک تنگ گلی میں لے کر چلے۔ ایک جگہ رک کر سب کو جمع کیا اور اندر داخل ہوئے۔ وہاں بہت سی سیڑھیاں تھیں۔ ہدایت ملی چڑھ جاؤ۔ ہم نیک بھیڑوں کی طرح حکم ماننے لگے۔ اس زینے نے جو بالکل سیدھا تھا۔ سب کے سانس پھلا دیے معلوم نہیں وہاں کیا تھا۔ جب تھک گئے گرمی سے پسینہ پسینہ ہوگئے تو ایک چھت پر پہونچے ہر طرف دھوپ پھیلی تھی۔ الٹے ہاتھ پر ٹین کا سائبان ایک کاؤنٹر۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ سمجھ میں نہیں آیا۔ کہاں کیا جادو ہے بربر کی کیا چیزیں فروخت کی جائینگی۔

''آپ لوگ کرسیوں پر بیٹھ جایئے......'' شگر چاچا نے حکم دیا۔ سب نے عمل کیا اس وقت دو مرد اور ایک خاتون برآمد ہوئے اور'' جو پینا ہے۔ آڈر دے دیجیے۔'' جولین نے ہدایت دی۔ ہم نے سوچا یہ کیا زبردستی ہے۔ اتنے اوپر لاکر کولڈ ڈرنک پینے کی کیا تک ہے۔ اور پھر جی چاہے نہ چاہے۔ اچھی سیاحت ہے۔ اس چھت کے بیہودہ ریسٹورنٹ میں جو انتہائی معمولی اس وقت برے چہرے کی خاتون نے آکر پوچھا تو بہرحال ایک عدد کوک منگوانی پڑی جو زہر لگی۔

دوسرا حکم ہوا۔ چلو، ایک سیڑھی سے سنبھل سنبھل کر اترے تو ایک دکان میں پہونچ گئے کپڑے زیور...... چمڑے کا سامان۔ ہم بربر اونٹ دیکھنے لگے مراکو کی نشانی کے لیے۔ وہ کم از کم دو سو درہم کا تھا مول تول کر رہے تھے تو احساس ہوا دکان میں موجود سیاح میں سے کوئی بھی ہمارا ساتھی نہیں وہ نہ جانے کہاں گئے...... اب باہر کا راستہ تلاش کیا تو وہ نہ ملا کبھی کپڑوں کے حصے میں چلے جاتے۔ چمڑے کے سامان کی طرف مڑ جاتے برتنوں کے حصے میں جا نکلے آخر گھبرا کر ایک کاؤنٹر پر پوچھا...... '' ہمارے ساتھی کہاں گئے۔''

ب کون سے ساتھی...... یہ بات کسے معلوم۔ اچانک ایک شخص کی نظر ہمارے بیگ پر پڑی تو بولا۔'' وہ تو گئے۔''

''کہاں......'' ہم نے پریشان ہوکر پوچھا

''باہر اُس طرف''

ہم ادھر لپکے تو ایک آدمی نے پکڑ لیا۔کوئی پین یا بال پائنٹ دے دیں۔'' یہ عجیب خواہش تھی اس سے جان چھڑائی تو باہر نکل کر دیکھا رابن اور ایلنا ایک طرف لڑ رہے تھے۔ ہم

اس طرف لپک لئے۔ راہن اپنی بیوی کی ٹانگ کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا۔ ورنہ ہم ابھی مراکش میں ہوتے۔ شکر چاچا چپ چاپ سرک لیے شاہی محل میں اعتراض کرنے کا انتقام لے لیا۔ یہ صحیح بھی ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے۔ شکر چاچا بلا شبہ کمال کے گائیڈ ہیں جس بازار میں سر جھکائے چل رہے تھے وہ دنیا کا عجیب بازار تھا۔ دکانوں میں گھر کے استعمال۔ سجاوٹ کی لا تعداد اشیاء تھیں چھوٹی چھوٹی دکانیں۔ پتلی گلی۔ جس میں تیز رفتار سے موٹر سائیکلیں دوڑ رہی تھیں۔ اور ہم اونچے نیچے راستے دیکھتے اور موٹر سائیکلوں سے جان بچاتے چلے جا رہے تھے ہمارے سندھ میں اس قسم کے بازار کو ''شاہی بازار'' کہتے ہیں۔ یہاں سکھ کہلاتا ہے۔ راستہ ٹوٹا تھا۔ جگہ جگہ رکاوٹیں تھیں۔ دوکاندار دبوچنے کے چکر میں تھے اور ہم بچنے کی کوششوں میں۔ شکر چاچا نے بر بر دواؤں کی دکان سے کوئی ایسی معجون کھائی تھی کہ سیدھے اور تیز چلے جا رہے تھے۔ ان کے گم ہونے کا خطرہ تھا اس لیے سب تیز قدم اٹھا رہے تھے اس دن جمعہ تھا۔ ظہر کی نماز کا خطبہ ریڈیو سے نشر ہو رہا تھا ہر دکاندار بے حد ذوق وشوق اور عقیدت سے سن رہا تھا لیکن نماز کے لیے مسجد نہیں جا رہا تھا۔ اس وقت گاہک بے حد کم تھے۔

وہ نماز پڑھنے گئے ہوں گے۔

بازار ختم ہونے کا نام نہ لیتا اور شکر چاچا ٹھہرنے کے عادی نہ تھے گرمی میں حال برا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد بازار ختم ہوا تو زیتون کی دکانیں نظر آئیں۔ ہرے اور کالے۔ شکر چاچا اس دکان پر رک گئے۔ 14 ریال کے ایک کلو تھے۔ ہم نے دونوں رنگ کے ایک کلو خرید لیے یادگار کے لیے۔

بازار ختم ہوا تو ایک بہت بڑا میدان آ گیا جس کے چاروں طرف دکانیں بیچ میں موسمی کا رس بیچنے والوں کے ٹھیلے۔ یہ جگہ پلیس ڈی ما الفا کہلاتی ہے۔ یہاں شام کو زندگی نئی کروٹ لیتی ہے۔ الف لیلیٰ کی رات اتر آتی ہے۔ قصہ گو۔ سانپ کا تماشہ دکھانے والے۔ جسمانی کرتب کرنے والے۔ تلوار بازی کے ماہر۔ آگ کے گولے نگلنے والے۔ رقص کرتے۔ ڈھول تاشے بجاتے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور ساری رات جشن رہتا ہے۔ یہ الف لیلیٰ کا اسکوائر کہلاتا ہے اس وقت تیز دھوپ میں ٹیکسیاں گاڑیاں اور لوگ ادھر سے ادھر خریداری کر رہے تھے۔

شکر چاچا نے کہا اس چوراہے سے ایک گھنٹے بعد روانہ ہوں گے ہم نے ڈاک کے ٹکٹ

خریدنے کی خواہش کی۔ انہوں نے بتایا سامنے کسی بھی اخبار کی دکان سے خرید لیں۔ وہاں ایسی کئی دکانیں نظر آئیں۔ اندر گئے تو زبان کا مسئلہ تھا ہم نے خط دکھا کر ٹکٹ مانگا۔ خدا کا شکر وہ سمجھ گئے اور ٹکٹ مل گئے۔ اب لیٹر بکس کی ضرورت تھی۔ اس نے اشارے سے الٹے ہاتھ جانے کی ہدایت کی۔ وہاں کوئی پوسٹ آفس نہیں تھا۔ ایک جگہ زمین پر بیٹھا آدمی کھلونے بیچ رہا تھا۔ ہم نے اسے خط دکھا کر اشارے سے لیٹر بکس کا پتہ پوچھا۔ اس نے ایک کونے سے کپڑا ہٹایا تو ایک ڈبے پر ''صندوق البرید'' لکھا تھا۔ یعنی لیٹر بکس سمجھ میں نہیں آیا خط ڈالیں یا نہ ڈالیں آ کر خدا کا نام لے کر لفافہ ڈال دیا..... شاید ہمارے دوست تک پہونچا ہو۔ سامنے سے شکر چاچا آ رہے تھے اور اسکوائر کے دوسری طرف سے کوچ بھی آتی نظر آئی۔ سیر ختم ہوئی۔

سکھ میں خریداری

مراکش ہمیں پسند آیا۔ مصروف جاگتا۔ بھاگتا دنیا بھر کے سیاحوں سے بھرا۔ عمارتیں گلابی جیسے شرما رہی ہوں۔

گائیڈ کے ساتھ جاتیں تو اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنا ہوتا ہے۔ سوچا ایک بار خود بھی دیکھیں اس کے لوگ اس کا حسن محسوس کریں۔ کنزا ہوٹل کے استقبالیہ سے فرنچ اور عربی میں اس اسکوائر کا نام لکھوا لیا جہاں جانا تھا۔ فرنچ میں "پلیس ڈایال فنا" عربی میں اسے "جامع الفناء" کہتے ہیں۔

ہوٹل کے باہر ٹیکسی فوراً مل گئی۔ ہم نے کارڈ دکھایا اس نے اشارہ کیا "بیٹھ جاؤ" اسے معمولی انگریزی آتی تھی پوچھنے لگا۔

"کہاں سے آئے ہیں......"

"پاکستان سے" ہم نے بتایا وہ خوش ہوا۔ اس نے نام سنا تھا۔ کہنے لگا "وہاں سے لوگ کیوں نہیں آتے......" ہم نے سمجھایا "بہت دور ہے"

"آپ بھی تو آئے ہیں......"

"ہم ان دنوں امریکہ میں رہتے ہیں......" ہم نے کہا

"امریکہ......" وہ چونک گیا "صاحب بڑا رئیس ملک ہے اس کے سکے کی بہت قیمت ہے آپ مسلمان ہیں۔ پاکستان سے آئے ہیں سکھ کیوں جاتے ہیں۔ میں آپ کو ایک جگہ لیے چلتا ہوں۔ حکومت کا اسٹور ہے۔ بہت بڑا مراکو کی ساری چیزیں سستے داموں ملتی ہیں......"

ہم نے کہا...... "چلو سکھ میں کون واقف ہے کیا نام ہے تمہارا......"

"قاسم ہے صاحب امریکہ میں تو بہت مزے ہوں گے۔ سب چیزیں ملتی ہوں گی۔ ملازمت بھی......"

"ہاں کوئی نہ کوئی تو مل جاتی ہے......" ہم نے بتایا

"اس شہر میں کچھ روزگار ہے۔ ورنہ دوسری جگہ تو کچھ نہیں۔ لوگ ملک چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں۔ فرانس میں دس لاکھ ہمارے لوگ ہیں۔ وہ عیش کر رہے ہیں یورپ میں بھی ہیں۔ لیکن یورپ کا ویزا نہیں ملتا......"

"تم امریکہ جانا چاہتے ہو......" ہم نے پوچھا۔

"ہمیں کون لے جائے گا۔ سچ پوچھیں تو میں جانا بھی نہیں چاہتا۔ ماں باپ ہیں۔ بوڑھے ہیں۔ دو بہنیں ہیں۔ بھائی ہے۔ کچھ نہ کچھ کر لیتے ہیں۔"

"یہ اچھی بات ہے۔ اپنے ماں باپ بہن بھائی سے زیادہ کون اچھا ہوتا ہے۔ اپنے ملک میں رہنا چاہیے۔"

"جب اگر باہر جانے کا ویزا کھل جائے۔ شاہی خاندان کے علاوہ سب چلے جائیں یہاں طبی سہولتیں نہیں روزگار نہیں۔ پہلے یورپ سے کوئی رشتے دار ملازمت کا کنٹریکٹ بھیجے۔ یا پھر جانے والے کے پاس بہت رقم ہو......"

"باہر روزگار ہے تو سکون اور خوشی نہیں......" ہم نے کہا

"یہ کون سوچتا ہے۔ ہر ماہ مراکو سے اسپین جانے والے غیر قانونی دسیوں لوگ بارڈر

پولیس کی گولی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی نہیں مانتے۔"

"کتنی دور ہے جرانز"......؟

"سمندر سے صرف 12 کلومیٹر......"

"تمہارے ملک میں تیل نکلنے والا ہے۔ امریکہ کی ایک کمپنی کام کر رہی ہے۔"

"سچ صاحب۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں"...... اس نے خوشی سے پوچھا۔

"ہاں۔ تم دعا کرو۔ مراکو والوں کے اچھے دن آنے والے ہیں۔"

"خدا آپ کی دعا پوری کرے۔ یہ لیجیے آپ کا اسٹور آ گیا......" وہ بولا

"کیا دیں......"

"جو چاہے دے دیں ہم نے دس درہم دیئے اس نے شکریہ ادا کیا ہاتھ ملایا اور پوچھا۔

"کھڑا رہوں یا جاؤں......" ہم نے کہا...... "نہ جانے کتنی دیر لگے تم جاؤ......" اسٹور سرکاری تھا اور اندر سے بہت بڑا۔ ایک صاحب نے استقبال کیا وہ انگریزی بول رہے تھے۔ پھر دو آبنوسی رنگ والی خواتین نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اسٹور میں سب کچھ تھا۔ ہمیں بربر اونٹ چاہیے تھے وہ بھی تھے۔ لکڑی کے اور چمڑے سے بنائے ہوئے بھی لیکن ہمیں پسند نہیں آئے۔ اس کی صرف ایک وجہ تھی جو قیمت وہ بتا رہے تھے اس میں ایک پورا اونٹ نہیں تو اس کا نوزائیدہ بچہ وہ خریدا جا سکتا تھا۔ بعد کو اس کے ڈبے کے دودھ سے پال لیتے۔ اس میں ایک دقت تھی۔ مراکو سے کس طرح لاتے۔ ذرا دیر بعد ہمیں احساس ہوا کہ قاسم اپنے خیال سے صحیح جگہ لایا تھا لیکن ہمارے بجٹ اور پسند کے حساب سے نا مناسب تھی اس لیے خواتین و حضرات سے معذرت کی اور باہر نکل آئے۔ ایک بار ٹیکسی سے کھیل چکے تھے اس لیے حوصلے بلند تھے۔ فوراً ایک ٹیکسی آ کر رکی۔ ہم نے پتہ دکھایا بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ اور کچھ دیر بعد اسی عظیم الشان اسکوائر میں تھے جس کی تعریف ایک عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔

ٹیکسی سے اترے تو نارنگی والوں نے آوازیں لگائیں۔ ہم اس طرف جان بوجھ کر گئے۔ فاس میں ایک گلاس چھ درہم۔ راستے میں دس درہم اور اس جگہ ڈھائی درہم کا تھا فوراً ایک نہیں دو پی کر دیکھے۔ ذائقے اور مزے میں موسمی کے جیسے تھے۔ ٹھیلے کو غور سے دیکھا تو وہ تازہ تازہ رس نکال رہے تھے۔ ہماری اگلی منزل کیسابلانکا تھی۔ جس حساب سے شہروں میں قیمت میں کمی

آ رہی تھی امید تھی وہاں ایک درہم میں دو گلاس یا کم از کم ایک ضرور ہوگا۔

چاروں طرف دکانیں تھیں۔ ہم دائیں طرف چلے تو اسی بازار میں داخل ہوئے جہاں سوئی اور ہاتھی کے علاوہ سب کچھ ملتا ہے۔ سنا ہے ایک زمانے میں یہاں غلام بیچے جاتے تھے اب اشیاء فروخت ہوتی ہیں۔ ہمیں کسی ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی ضرورت نہیں جو چاہیں فروخت کریں یا چھپا کر رکھ لیں۔

ایک دکان کے پاس رکے تو اس نے اکیلا سمجھ کر دبوچ لیا۔

ہم یہ کب سے چاہتے تھے۔ پہلے پوچھ لیا

"میاں انگریزی بھی آتی ہے......"

"ہاں...... خوب......" وہ مسکرایا۔

"آپ کے پاس بربر اونٹ ہوں گے۔ چھوٹے سائز اور چمڑے کے۔"

"آپ اندر تشریف لائیے۔ مل جائیں گے۔" اس نے بڑی عزت سے کرسی پر بٹھایا اور ایک لڑکے سے کہا۔

"جلدی سے کولڈ ڈرنک لے آ......"

"ہمیں ضرورت نہیں۔ پیتے نہیں۔ آپ تکلیف نہ کریں وہ اونٹ......"

"ابھی لاتا ہوں......" وہ دکان سے گیا اور فوراً بہت سے اونٹ لے آیا یہ چمڑے سے بنائے جاتے ہیں۔ اور ہاتھ سے سلائی ہوتی ہے...... یہ دو رنگ کے تھے۔ بھورے اور کالے۔ یعنی عربی اور بربر دونوں قسم کے تھے۔

ہم نے قیمت پوچھی۔ اس نے کہا۔

"100 درہم ایک کے۔"

"بہت زیادہ ہیں" ہم اٹھنے لگے۔

"آپ ہی تو بتایئے کتنے میں لیں گے......" ہماری سمجھ میں نہیں آیا کیا قیمت بتائیں۔ اس قسم کے اونٹ مراکش آتے ہوئے راستے میں کئی جگہ دیکھے تھے وہ بھی 100 درہم کے تھے۔

ہم چپ رہے تو وہ بولا۔

"آپ 80 درہم دے دیجیے......" اور باندھنے لگا۔

اورنگ زیب قاسمی

"ہم 30 درہم سے زیادہ نہیں دے سکتے....." ہم نے ہمت کر کے کہا

"صاحب یہ تو بہت کم ہیں....."

"اچھا۔ کہیں اور دیکھ لیتے ہیں....." ہم اٹھنے لگے۔

"قیمت کم لگائی ہے اتنے میں تو ہمیں بھی نہیں ملتے۔ آپ کتنے لیں گے۔"

"چار لے لیں گے....." ہم نے دکان سے باہر آنے کی کوشش کی۔

"آپ کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیں گے۔ 50 سے حساب سے لے لیجیے۔"

"نہیں۔ صرف....." وہ قیمت گرانے لگا تو ہماری ہمت بندھی

"آپ بیٹھیے تو سہی وہ باندھنے لگا۔ اب ہم چھپانے لگے 25 درہم کہتے تو اس میں بھی دے دیتا۔ انسان اس طرح سوچتا ہے چیز مفت ملے تو دو مانگتا ہے۔ قیمت کم ہو جائے تو اور کم کرانا چاہتا ہے۔

"اور کیا دکھاؤں....."

ہم نے ادھر ادھر دیکھا۔ صحارا میں جاتے ہوئے سر پر اوڑھنے والے اسکارف نظر آئے۔ ہم نے پوچھا

"کیا قیمت ہے....." اس نے الماری سے نکال کر سامنے ڈھیر کر دیے ہمارے لاکھ منع کرنے پر بھی نہ مانا سب کھول دیے اور ہمارے سامنے قوس وقزح کے رنگ بھر گئے۔

"آپ اسے مول تول نہیں کریں گے..... چالیس میں ایک لے لیجیے۔"

ان کی قیمت ہر جگہ 30 درہم تھی یہ زیادہ بتا رہا تھا۔ بس یوں ہی کہہ دیا۔ 20 درہم میں دو تو.....

اس نے جملہ کاٹ دیا "کتنے؟"

یہ دو ڈالر سے بھی کم ہوئے تھے۔ ہم نے چار خرید لیے مختلف رنگوں کے....." وہ اور چیزیں دکھانے لگا۔ کشیدہ کاری کا شیشے والا کام۔ خواتین کے برقعے۔ لیکن اب ہمیں کچھ بھی خریدنا نہیں تھا اس لیے دوکاندار سے ہاتھ ملا کر باہر آ گئے۔ بازار میں ادھر ادھر چکر لگانا بیکار تھا۔ مراکو کی یاد میں اونٹ خرید لیتے۔ یہ ہمیشہ مراکش کو ساتھ رکھیں گے۔ گدھے بھی خریدنا چاہتے تھے وہ ملے نہیں۔ شاید کام میں مصروف ہوں چوراہے پر دو موچی کے رس والے گاہکوں کو پکڑ

رہے تھے۔ ہم نے سوچا ایک گلاس اور..... پھر نہ جانے یہاں آنا ہو نہ ہو..... موچی کے رس کے بعد اخبار کی دکان میں گئے۔ مراکو کے بارے میں کوئی کتاب حاصل کرے۔ لیکن افسوس سب کی سب عربی اور فرنچ میں تھیں..... ان کے لیے ہمیں ان زبانوں کو سیکھنا پڑتا۔ اس لیے دکان سے اس طرح واپس آئے جیسے سکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے۔

واپسی کے لیے ٹیکسیاں لائن سے کھڑی تھیں ہمارے انتظار میں تاکہ گرم موسم سے بچا کر کنزا ہوٹل کے اس کمرے میں لے جائیں جہاں ہماری پسند کا موسم چھایا ہوا ہے۔

اورنگ زیب قاسمی

ہمارے اعزاز میں رقص

مراکش مراکو کا سب سے حسین شہر ہے۔

مراکش والوں کا کہنا ہے غیر ملکی سیاح دنیا بھر سے آتے اور اشیاء کی قیمت بڑھا دیتے ہیں۔ سیاح شکوہ کرتے ہیں مراکش والے انہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں۔ خیر اس کی شکایت تو ہمیں بھی ہے۔ اس شہر گلابی میں جو گلاب چہرے رہتے ہیں۔ اگر وہ موٹر سائیکل پر ہوا سے باتیں کرتے اِدھر سے اُدھر زن زن کرتے نہ پھریں تو ہم دل و جاں سے لٹ جائیں۔ مراکش کے ہو رہیں۔ اونٹ چلائیں یا موٹر سائیکل بھگائیں اللہ تعالیٰ نے اس شہر سنگ دل میں سارا حسن جمع کر دیا ہے۔ یہاں کی راتیں الف لیلیٰ کی باہوں میں کھیلتی ہیں اور دن عید کی طرح گلی کوچوں میں مسکراہٹوں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔

مراکش میں رہیں اور حسین رات سے لطف اندوز نہ ہوں تو لوگ برا مانتے ہیں ورغ بر

گردن راوی مچلتی رات گزارنے کے لیے جو ٹکٹ خریدا جاتا ہے۔ اس کا آدھا حصہ شہر سے نکلتے وقت پولیس والے چیک کرتے ہیں اگر یہ نہ ہو تو ڈانٹ کر واپس کر دیتے ہیں..... "جاؤ کسی زلف کے اسیر در کے فقیر بن کر آؤ۔ مراکش میں طعام و قیام پورا کر کے آؤ....."

ہم تو خدا سے چاہتے تھے ایسا موقع ہو اور یہاں جان پر کھیل جائیں اس کا خصوصی انتظام تھا۔

جولین نے ناشتے پر اعلان کیا "رات کو مراکش کی الف لیلیٰ کی شب طعام اور رقص ہے۔ اس میں جانا ہے۔ آٹھ بجے روانگی ہے۔"

یہ خوشخبری رگ و پے میں بجلی بن کر گردش کرنے لگی اور ہم مرغ بسمل کی طرح ساڑھے سات بجے ہوٹل کے لاؤنج میں پہنچے تو معلوم ہوا۔ سب ہی موجود تھے۔ اس لیے پونے آٹھ بجے سواری چلی۔ پہلے وہ قصبہ دکھایا گیا جس کے بارے میں اتنی معلومات تھی کہ مراکش میں گائیڈ بن سکتے ہیں۔ ایک چکر لگا کر اس نامی گرامی اسکوائر پہنچے جو رات کو بے تاب عاشق کے دل کی طرح دھڑکتا ہے۔

اس کی شکل ہی بدلی ہوئی تھی۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے پانچ چھ ہزار مرد و زن موجود تھے اور وہ میلے کا سماں کہ پہلے کہاں دیکھا تھا.....

ایک طرف جسمانی کرتب دکھانے والا قلابازیاں لگا رہا تھا۔ لوگ تالیاں بجا رہے تھے۔ خوش ہو رہے تھے۔ اس کے برابر ایک بہادر جلتی ہوئی مشعل منہ میں لیتا اور نکال لیتا۔ ہر ایک نے نیچے اترنے کا اصرار کیا لیکن جولین کا انکار تھا۔ "اس مجمع میں سیاحوں کی جیب بھی کٹتی ہے۔ دو چار زخمی ہوتے ہیں۔ میں اس کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ کوچ چاروں طرف گھما کر سب کچھ دکھا دوں گا۔"

ایسا ہی ہوا۔ کوچ دائیں طرف بڑھی تو مجمعے کے درمیان ایک بڑی عمر کے آدمی کو لوگ توجہ سے سن رہے تھے۔ یہ قصہ گوئی تھی۔ الف لیلیٰ میں بھی ساری کی ساری قصہ گوئی ہے۔ داستانیں ہیں۔ جادو اور حسن کے کرشمے ہیں۔ ذرا فاصلے پر دو نوجوان تلواریں ٹکرا رہے تھے۔ گول دائرہ بنائے مرد و زن داد و تحسین تالیوں سے دے رہے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا دونوں کسی مادر رخ کے لیے زندگی کا فیصلہ کر رہے تھے۔ منظر بدلا۔ ایک جوگی بین بجا رہا ہے۔ اس کے

اورنگ زیب قاسمی

سامنے بڑے پھن والا سانپ ناچ رہا ہے۔ جو تماشہ دیکھ رہے ہیں وہ سانپ کے پھیلے ہوئے منہ کو پھر سپیرے کی بین کو دیکھتے ہیں۔ ڈرتے ہیں پھر بھی لطف اندوز ہوتے ہیں اور اب ایک قبائلی نوجوان کسی پری رو کے ساتھ محوِ رقص ہے۔ موسیقی کی آواز بلند ہو رہی۔ اسی دھن پر یہ تھرک رہے ہیں۔ کبھی کبھی سیاح بھی ان کے ساتھ ناچنے آجاتے ہیں۔ سب تالیاں بجاتے ہیں۔ زندگی جاگ رہی ہے زندہ ہے۔ تھرک رہی ہے۔ رقص میں ہے۔

ایک مجمع کے درمیان طوطا توپ چلا رہا ہے۔ لوگوں کے نصیب والے لفافے اٹھا رہا ہے۔ اس سے آگے ایک نوجوان ہاتھ میں مائیکروفون لیے گا رہا ہے۔ خوشی کا، مستی کا، محبوب کے مل جانے کا نغمہ ساتھ ساتھ تالیاں بجاتا ہے۔ لوگ بھی تالیاں بجاتے ہیں۔

ایک جگہ بربر قبیلے کی لڑکی گا رہی ہے ناچ رہی ہے۔ کبھی ماتھے پر ہاتھ رکھ کر آنے والے کی راہ دیکھتی ہے کبھی مایوس ہو کر سر جھکا لیتی ہے کچھ لوگ ایک شخص کے سامنے کھڑے تھے وہ لکڑی کے اونچے ڈبے پر کھڑے ہو کر بول رہا تھا۔ لوگ ہنس رہے تھے۔ پہیلیاں تھے۔ دن بھر کی دھوپ اور کڑی محنت کے بعد دوسروں کی بے وقوفی پر ہنسنا اچھا لگتا ہے۔

ہزاروں لوگ موجود ہیں۔ یہ گورے۔ آبنوسی رنگت والے۔ الگ الگ لباس اور زبان بولنے والے۔ جدا طریقوں سے خدا کے سامنے جھکنے والے خوش ہیں قہقہے لگا رہے ہیں۔ لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ یہ اسکوائر الف لیلیٰ کی رات نہیں۔ زندگی کی رات ہے۔ یہاں ہر شام کے بعد زندگی بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑتی ہے۔ امریکہ کے زمین دوز تہہ خانوں، برطانیہ کے تجربہ گاہوں، جرمنی کی کمین گاہوں کے سائنسدانوں، بارود اور موت کی ہتھیار تیار کرنے والوں کو ایک رات صرف ایک رات یہ اسکوائر لا کر دکھایا جا سکتا ہے کہ زندگی کیا چاہتی ہے..... دنیا بھر کے لوگ شانے سے شانہ ملائے کیا گا رہے ہیں۔ ہنس رہے ہیں..... خوش ہو رہے۔ خدارا ان کی مسکراہٹوں کو ختم کرنے کے سامان نہ کرو۔ اپنے تہہ خانوں کو آگ لگا کر اس جگہ ایک رات آجاؤ کوچ کا ہر شخص اس رات سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ یہ نیویارک کے ٹائمز اسکوائر کی ۳۱ دسمبر کی رات سے بہتر جگہ ہے۔ کہ ہر رات شب برات اور دیوالی ہے..... اور ۳۱ دسمبر ہر رات منائی جاتی ہے۔

کوچ نے ایک اور چکر لگایا اور اسکوائر سے باہر نکل آئی۔ ہم سب اپنی الف لیلیٰ دیکھنے

جا رہے تھے۔ دو سڑکوں کے بعد ایک عمارت آئی کوچ رک گئی بہت سی سیڑھیوں کے بعد ایک اندھیرا ہال، پھر پتلا راستہ اس میں سیڑھیاں یوں محسوس ہوا ہم چوری چھپے تاریکی میں کسی حسینہ سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں جو سیڑھیاں چڑھی تھیں وہ اتر گئیں اور بالکل اندھیرا چھا گیا۔ صرف ادھر اُدھر مدھم روشنی تھی۔ جو کسی طرح بھی روشنی نہیں کہی جا سکتی تھی۔ انسان ٹٹول کر سب کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ آنکھیں اندھیرے سے آشنا ہوئیں تو دیکھا درمیان میں ایک اسٹیج ہے۔ تین طرف میزیں ہیں ان کے ساتھ کرسیاں، ہم جس ٹیبل پر بیٹھے اس پر تین طرف کرسیاں اور ایک طرف اسٹیج تھی اتنی نزدیک کہ ناچنے والی کو ہاتھ لگا سکتے تھے۔ یہ ہمت زندگی بھر نہ ہوئی۔ ہمارے شاعر قابل اجمیری نے ایک بار ہمت کی تو کہا۔

ہم نے ان کے لب و رخسار کو چھو کر دیکھا
حوصلے آگ کو گلزار بنا دیتے ہیں

وہ ہم نہیں تھے۔ اپنی اس کم ہمتی کو شرافت اور اعلیٰ کردار کا نام دیتے رہے ان باتوں کا کیا تعلق۔ آج دیکھا جائے گا..... اسٹیج پر ایک طرف سارنگی، دف اور طبلے والا کسی ایسے گیت کی دھن بجا رہا تھا جو اچھی تھی۔ معؤدب بیرے آئے اور شراب کے بارے میں پوچھنے لگے۔

"ہم مسلمان ہیں۔ شراب نہیں پیتے نارنگی کا رس لا دو....." بیرے نے مسکرا کر سر ہلایا اور بولا ..... "مجھے علم ہے....." جولین پہلے ہی ہمارے بارے میں بتا چکا تھا۔ ڈرتھا رقاصہ کو یہ بات نہ بتا دی گئی ہو کہ جو تم سے زیادہ قریب بیٹھا ہے۔ شراب نہیں پیتا تو شباب میں کیا خاک دلچسپی لے گا۔ اس لیے ادھر نہ مسکراہٹ پھینکنا نہ ٹھمکا۔

پہلے سوپ دیا گیا۔ یہ حریرہ تھا۔ ہماری پسند کا سوپ، کالی مرچ اور سرکہ ڈال کر اس کا ذائقہ بہترین تھا۔ اس کے بعد تیزی سے چکن پائی لائی گئی۔ یہ ایک بسکٹ نما چیز تھی۔ چھری سے کاٹ کر کانٹے سے منہ میں رکھی پہلا لقمہ اچھا نہ تھا۔ دو کے بعد عادی ہو گئے۔ تیسرا پسند آیا..... چوتھا اچھا لگا بس اس کے چار ٹکڑے بن سکے تھے۔ اسی عرصے میں ڈبل روٹی کے کٹے ہوئے ٹکڑے رکھے گئے اور بکرے کا قورمہ، اس پلیٹ میں دو بوٹیاں تھیں۔ ہمارے ساتھ سوزے اور پالز بیٹھی تھی۔ ایک کو گوشت سے پرہیز تھا دوسری کا موڈ نہیں تھا۔ ہم نے اطمینان سے نوش کیا۔ اپنا حصہ ختم کیا۔ نارنگی کا رس بھی پیا۔ گلاس خالی ہوا تو بیرا دوسرا بھر لایا۔ شاید یہ رعایت خاص

تھی۔ دونوں خواتین شراب پی رہی تھیں اور مسکراتی جاتی تھیں۔ خیر ہمیں کیا ڈر۔ وہاں ہمارے گروپ کے علاوہ دوسرے سیاح بھی آئے تھے اب نارنگی کی پھانکیں اور پودینے کی چائے بلکہ بربر کی وسکی پیش کی گئی۔ اسی وقت ایک دھماکہ ہوا اور ہماری میز سے ایک گز دور زمین اپنی جگہ سے اٹھنے لگی اور سفید رنگ کی گول اسٹیج کئی گز اٹھ گئی۔ گویا تماشہ شروع ہونے والا ہے۔

ایک طرف سے پردہ اٹھا اور دس افراد جو روایتی سفید لباس پہنے ہوئے ہاتھوں سے دف بجاتے اور اپنی چپلوں سے عجیب سی آوازیں پیدا کرتے داخل ہوئے یہ بربر چپل تھے۔ وہی جو آگے سے بند اور پیچھے سے کھلے ہم باتھ روم جانے کے لیے استعمال کرتے ہیں ان سے عجیب سماں پیدا ہوا۔ ہمارا خیال تھا اس کے ساتھ ہی کوئی اشتہار سنایا دکھایا جائے گا۔ ہمارے اسٹور میں بھی بربر چپل نہایت مناسب قیمت پر ملتے ہیں جو فرش پر بار بار مارنے پر بھی نہیں ٹوٹتے۔''

افسوس اس ملک میں مارکیٹنگ کا رواج نہیں پایا جاتا ورنہ موقع اچھا تھا وہ لوگ فرش پر چپلیں مارنے اور دف پیٹنے کے بعد گئے تو ذرا سکون ہوا۔ اسی لمحے ایک رقاصہ تشریف لائیں۔ وہ پردے کے پیچھے ہی تھرکتی آئیں۔ ان کا لباس وہی تھا جو اس موقع پر پسند کیا جاتا ہے۔ اسٹیج کے اوپر دو طرف سے جو روشنیاں جل رہی تھیں ان کے آتے ہی بجھ گئیں۔ غالباً اُردو کے شاعر میرؔ صاحب یہ شو دیکھنے آئے ہوں گے جب ہی فرماتے ہیں۔

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

اندھیرے میں جو کرتب دکھائے وہ تو سائے کی طرح تھے۔ پھر ایک طرف کی روشنی چلی تو دیکھا۔ موصوفہ ہاتھ میں ایک بید لے کر آئی ہیں۔ نہ جانے اسکول میں ٹیچر تھیں یا ہمیں طالب علم سمجھ کر چھڑی لائی تھیں۔ خیر ہم کب چھیڑ چھاڑ کے موڈ میں تھے۔ اسی کو سہارا رقیب بنا کر کھیل رہی ہیں۔ پھر اچانک دوسری طرف کی بھی روشنی جل اٹھی۔ اب وہ مکمل نگاہوں میں تھیں۔ ایک بار انہوں نے بید ہماری طرف پھینکنے کا پوز بنایا۔ ہم نے سر سوڑے کی طرف کیا۔ پردیس میں اگر سر میں چوٹ لگے اور یادداشت جاتی رہے تو کیا کریں گے اور دل پر گھاؤ آیا پھر کس کس کو اپنی شرافت کا یقین دلاتے پھریں گے۔ موصوفہ نے صرف پھینکنے کا پوز بنا کر بید اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان سے نکال کر سر تک لے گئیں۔ لیکن ایک نقصان یہ کر گئیں کہ سوڑے

سمجھی ہمیں پودینے کی چائے سے نشہ ہو گیا ہے اور سر ان کے کاندھے سے لگانا چاہتے ہیں اس لیے اپنا ہاتھ ہمارے کندھے پر رکھ دیا۔ ہم نے آہستہ سے اپنا وجود اپنی کرسی اور پھر پٹیرا کی طرف کیا تو ان کا ہاتھ چھوٹنا پڑ گیا یعنی پہنچ سے دور اور ''دست بھاری'' کاندھے سے پھسل گیا۔ ادھر رقاصہ کا آخری وقت آ گیا۔ آ کیتم کا۔ اس لیے وہ چھلانگیں لگانے لگیں۔ اپنی ٹانگیں لوگوں کی طرف پھینکنے لگیں۔ آخر کب تک۔ وہ چلی گئیں اور اسی لمحے چھ لڑکیاں چھ نوجوان گاتے بجاتے اسٹیج پر آئے۔ لڑکیاں انتہائی بیزار۔ ان میں سے ایک تو باقاعدہ اونگھ رہی تھی۔ انہوں نے مردوں کا ساتھ دیا اور منہ سے لی لی کی آوازیں نکالیں۔ لڑکیاں کام والیاں لگ رہی تھیں۔ کیا خبر اصلی ڈانسر اس دن گول ہو گئی ہوں اور ڈسکو کلب میں کام کرنے والی ''ماسیوں'' کو اسٹیج پر بلا لیا ہو ہم کون سا واقف تھے۔ ایک لڑکی ناچتے ہوئے بالکل ہمارے پاس سے گزری تو ایسا لگا اس نے دائیں آنکھ ہلکی سی دبائی اور مسکرائی۔ اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے...... ''کیوں کیسا بنایا......''

ایک خیال آیا کہیں کیا بنایا ہے انہوں نے شہر کیسا بلانکا کا نام نہ رکھ دیا ہو۔ لیکن یہ زریں خیال ہم نے اپنے پاس ہی رکھا۔ اظہار نہیں کیا ابھی مراکو میں قیام اور طعام باقی تھا۔

اس گروپ میں نوجوان زیادہ مستعد اور پھرتیلے تھے اور لڑکیاں ان کا کیا ذکر کریں۔ جلد ہی یہ ایک طرف سے واپس جانے لگیں تو دوسری طرف سے ایک صاحب سانپ کا پٹارہ لے کر آ گئے۔ پہلے ایک سانپ نکالا اس سے کھیلتے رہے۔ ہاتھوں میں لپیٹ لیتے۔ سر پر بٹھاتے۔ پھر دوسرا سانپ نکالا۔ دونوں سے کھیلے پھر پٹارے سے بچھو نکال کر سر پر بٹھا لیا۔ ناک سے چمٹا لیا پھر چار عدد سانپ نکال کر لوگوں کو دکھانے لگے۔ ہمیں احساس ہوا یہ کہیں الف لیلیٰ والے اسکوائر تو نہیں آ گئے۔ ایک سانپ کو انہوں نے غصہ دلایا۔ تو اس نے ان کے سر کے پگڑ کا ایک حصہ نوچ کر کھا لیا۔ کاش انہیں بھی کھا جاتا لیکن خواہشات کب پوری ہوئی ہیں۔ یہ گئے تو دو جوان ہاتھوں میں لکڑیاں لے کر آئے اور بڑی مہارت سے چلانے لگے۔ ہر بار ایسا محسوس ہوتا تھا ان کے ہاتھ سے لکڑی چھوٹ کر کسی سیاح کے لگ جائے گی۔ کھیل زیادہ دیر جاری نہیں رہا۔ یہ تالیاں بجوا کر گئے تو چار نوجوان دف بجاتے داخل ہوئے۔ جو اچھل کر دف بجاتے۔ بعض زمین سے چار چھ فٹ اونچے اچھل جاتے جیسے ان کے پیروں میں اسپرنگ لگے ہیں۔ بے حد مہارت

اورنگ زیب قاسمی

تھی۔ یہ بڑی محبت سے دف بجا کر ناچتے زمین سے اچھلتے۔ لوگ تالیاں بجاتے۔ یہ گئے تو دو آبنوسی رنگت والی لڑکیاں آ گئیں۔ ہم سمجھ گئے یہ پچھلے گروپ کی لڑکیوں میں سے ہیں۔ اب منہ کالا کروا کر آئی ہیں بور کریں گی۔ ڈسکو کلب والوں کو آج رات لڑکیوں کی کمی ہے۔ لیکن جب انہوں نے ڈانس شروع کیا تو انتہائی تیز اور پھرتیلے انداز سے تب یقین ہوا یہ واقعی کوئی اور لڑکیاں ہیں۔ ان کے رقص سے لطف اندوز ہونے لگے۔ وہ بار بار ہونٹوں کو ہاتھ لگا کر لوگوں کی طرف پھینک دیتی۔ کسی نے پرواہ نہیں کی۔ یہ ایک طرف سے واپس ہوئیں تو دوسری طرف سے گھٹنے چھلانگیں لگاتے چھ نوجوان آ گئے۔

عجیب محسوس ہو رہا تھا۔ کسی نے ان سے نہیں کہا "میاں چھلانگ لگالو..... یا گانا گالو"۔ یہ آئٹم بھی جلدی ختم ہوا اور وہ ڈانسر داخل ہوئے جو گاتے جاتے اپنے سر پر پہنی ٹوپیوں کے پھندنے ہلاتے جاتے بلکہ پورے گانے میں ان کے سر پر ایک گول دائرہ چلتا رہا۔ مہارت کا کام ہے۔ یہ روانہ ہوئے تو دھماکہ ہوا اور اس شو کی رقاصہ چھلانگ مار کر اسٹیج پر آئیں پہلے تو ان کے لباس سے سب نے لطف لیا۔

سوزے اندھیرے میں ہماری طرف بھی بار بار دیکھتیں شاید رقص کے بارے میں ہمارے تاثرات پڑھنا چاہتی ہوگی۔

شو کا یہ خاص آئٹم تھا اس لیے رقاصہ نے وہ کرتب دکھائے اور ان چیزوں کو عام کیا جو نہیں کی جاتیں۔ وہ چھلانگیں ماریں جو کہاں دیکھی تھیں۔ یہ رقص کیا تھا سیاحوں کے لیے مراکش کی رات کا تحفہ تھا۔ جب یہ ختم ہوا ہر طرف تالیاں بجتی رہیں۔ پھر بہت سے نوجوان لڑکے آئے اور جسمانی کرتب دکھانے لگے۔ لوگ ان سے کیا لطف اندوز ہوتے۔ رسم دنیا نبھانے کے لیے تالیاں ضرور بجاتے رہے۔ وہ بھی کمال دکھانے میں جان پر کھیل رہے تھے لیکن جو رقاصہ نے پیش کیا اس کا رنگ پکا اور ہمیشہ یادوں میں رہ جانے والا تھا۔ بس اسٹیج نیچے چلا گیا اور تماشہ ختم دار ہضم۔

جب ہم کوچ سے اتر کر ہوٹل کے لاؤنج میں پہنچے تو سوزے نے ہاتھ بڑھایا۔ "خدا حافظ..... میں صبح تین بجے واپس جا رہی ہوں....."

"آپ کیسا بلانکا نہیں جائیں گی....."

"نہیں....."

"کیوں....."

"میری بکنگ مراکش سے ہے۔ یہیں سے واپس جاؤں گی۔"

"کیسا بلانکا نہیں دیکھو گی....."

"میں کیسا بلانکا دو دن پہلے آئی تھی سب دیکھ لیا ہے۔ آپ سے رابطہ رہے گا۔ نیویارک جورجیا سے دور نہیں....."

"ایک اچھا سفر اور محفوظ واپسی کے لیے دعا گو....." ہم نے کہا۔

"شکریہ..... پھر ملیں گے۔ دنیا بہت مختصر ہے۔ خدا حافظ"

سوزے چلی گئی۔ باہر رات کا تیسرا پہر تھا اور سڑک پر ٹریفک کم ہو گیا تھا۔ یا شاید رک گیا تھا۔ معلوم نہیں کیوں۔

ایک جگہ میکڈانلڈ نظر آیا۔ جولین بتا رہا تھا۔ مراکو میں میکڈانلڈ امریکہ کا دوسرا سفارت خانہ کہلاتا ہے۔ افسوس مراکو میں اصلی سفارتخانے سے بھی امریکہ کا ویزا نہیں ملتا۔

مراکش میں دو طرح کی ٹیکسیاں ہوتی ہیں چھوٹی کو عربی میں صغیر اور انگریزی میں پٹی ٹیکسی کہتے ہیں۔ کرایہ ڈرائیور سے طے کرنا ہوتا ہے۔ مراکش میں ٹیکسیوں کی بھرمار ہے ذرا سا اشارہ کریں رک جاتی ہیں۔ دو گھوڑے والی گاڑیاں چلتی ہیں۔ لیکن وہ شان نہیں جو برصغیر میں بگھی کی ہوتی ہے۔

مراکش بے وفا نکلا زیادہ دیر ساتھ نہیں دیا پیچھے رہ گیا۔ یا ہم بے وفا تھے اسے چھوڑ آئے۔ دیہات شروع ہوئے۔ کھیت آئے۔ مراکو میں ۲۰ فیصد زمین زیر کاشت ہے۔ اس پر رئیس قابض ہیں ظاہر ہے غریب قبضہ کیسے کرتے اور کون کرنے دیتا۔ مراکو میں جس کے پاس ۵۰۰ ایکڑ زمین ہوتی ہے وہ جلد ایک ہزار ایکڑ کا مالک بن جاتا ہے سنا تھا دولت کو کھینچتی ہے مراکو میں زمین زمین کو کھینچتی ہے۔ مراکو میں صرف ایک فصل کاشت ہوتی ہے اکتوبر میں بو کر مئی جون میں کاٹ لیتے ہیں۔ اناج باہر سے منگاتے ہیں کیسا بلانکا اور مراکش کے درمیان الیکٹرک ٹرین چلتی ہے۔ دنیا میں پائی جانے والی فاسفورس یعنی گندھک کا ۶۰ فیصد حصہ مراکو میں پایا جاتا ہے۔ راستے میں اس کے پہاڑ اور کانیں دیکھیں۔ یہ بے حد قیمتی دیہات ہے ہر سال ۲۱ ملین ٹن گندھک زمین سے نکالی جاتی اور باہر بھیجی جاتی ہے۔ مراکو میں جوا کھیلنا منع ہے۔ چوری چھپے ہوتا ہے۔ رشوت جرم ہے۔ سپاہی پھر بھی لیتے ہیں۔ غرض جو ہونا چاہیے وہ نہیں ہے۔ جو ہے اس کو نہیں ہونا چاہیے۔

مراکو کے بادشاہ کو گولف کھیلنے کا شوق ہے اس لیے ہر شہر میں گھاس کے میدان تھے۔ مراکو میں ۳۹ صوبے ہیں۔ ان کے گورنر بادشاہ سلامت روساء میں سے منتخب کرتے ہیں ہمیں اس میں کوئی خامی نظر نہیں آتی۔ غریب آدمی کو گورنر بنایا تو وہ ہر وقت اپنے لیے روٹی کپڑے مکان کی فکر میں رہے گا دوسروں کو یہ اشیاء کیسے دے گا۔ رئیس ہوگا اس کا پیٹ بھرا ہوگا تو ایک آدھ ٹکڑا غریبوں کو بھی ڈال دے گا۔

قصار بہت سے دیہاتوں کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ قصبہ جس دیہات کے چاروں طرف دیوار ہوتی ہے۔ دوران سفر یہ دونوں دیکھے اور خوش ہوئے۔

کیسا بلانکا میں واپسی

ناشتے پر لوگ کم ہوگئے تھے۔ سوزے، ایرا، بابکن، رابن، لینا رات چلے گئے تھے۔ آبنوسی رنگت والی خاتون نے دوسری بار کافی لا کر دی تو روانگی کا وقت ہوگیا۔ ہم اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مراکش سے جا رہے تھے۔ آبنوسی رنگت والی خاتون نے مسکرا کر دیکھا مراکش کی یہ آخری مسکراہٹ تھی۔ ہم بھی مسکرانے لگے۔

زندگی میں جو ہر طرف گلابی رنگ پھیلا ہوا تھا وہ سمٹنے لگا۔ کوچ ایک ٹریفک سگنل پر کھڑی تھی۔ سڑکیں اسی طرح تیز رفتار تھیں۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ ''جلدی کریں ورنہ مراکش میں گم ہو جائیں گے'' اگر ہم سیاح نہ ہوتے تو ہمارا دل بھی کسی گلابی عمارت کے بام و در میں کھو جاتا۔ ہمارے پاس پتھر کا دل اور شیشے کی آنکھیں ہیں۔ اس لیے بہت سفر کرتا ہے۔ منزلیں طے کرتی ہیں۔ پھولوں بھرے شہر اور چاند چہرہ ستارہ آنکھیں دیکھ کر آگے بڑھ آتا ہے۔

اورنگ زیب قاسمی

ہم سرسبز علاقے سے گزر رہے تھے ایک قصبہ، رواں دواں زندگی ایک خوبصورت شہر آیا۔ صاف ستھری سڑکیں، ایک گھوڑے کی گاڑیاں، شہر کی تمام عمارتیں ہلکے پیلے رنگ کی۔ اسے یلوسٹی کہتے ہیں۔ امریکیوں نے بنایا سنوارا۔ یہ برشید کہلاتا ہے۔ ۱۹۶۴ء میں خلیج کی جنگ کے دوران یہاں امریکہ کی ایئربیس تھی۔ جہاں سے اڑ کر طیارے دشمن پر موت برساتے تھے۔ ہر بڑی غیر ملکی کمپنی کا دفتر ہے صنعتی پیداوار کے لیے یہ شہر بے حد اہم ہے۔ امریکہ فرانس کے بیشتر صنعتی ادارے قائم ہیں۔ جو مختلف اشیا بناتے ہیں۔ مراکو کے علاوہ آس پاس کے ملکوں میں بھی بھیجی جاتی ہیں۔

برشید صاف ستھرا شہر ہے۔ ایک چوراہے پر بمبارمنٹ کرنے والا طیارہ رکھا ہے۔ عوام کو یاد رہے امریکہ زمین کے علاوہ فضا میں بھی حکومت کرتا ہے۔ اس بات کو سمجھاتا رہے برشید امریکہ کا فوجی اڈہ تھا اور آج بھی ہوسکتا ہے ہمیں اس لیے نہیں بتایا شاید قابل اعتبار نہ ہوں۔ اِدھر اُدھر ذکر کر دیں گے موسم گرما تھا شہر میں ٹریفک کم تھا۔ مراکش کی طرح بھاگتا نہیں تھا۔ آہستہ روی سے زندگی گزار رہا تھا۔ ایک تیز شہر دیکھنے کے بعد احساس ہوتا تھا دریا کھلے میدانوں میں آ گیا ہے اور آہستہ آہستہ بہہ رہا ہے۔

کیسابلانکا یہاں سے دور نہیں تھا۔ اگلا پڑاؤ وہیں تھا۔ کیسا بلانکا کے بورڈ سڑک پر بہت دور سے شروع ہوگئے تھے۔ اس کا عربی میں ترجمہ دار البیضا کیا گیا تھا۔ اُردو میں اسے سفید گھر اور انگریزی میں وہائٹ ہاؤس کہا جاتا ہے۔ امریکہ والے کیا یاد کریں گے۔ انہوں نے واشنگٹن میں اپنے حصہ کے رہنے کے لیے ایک عمارت بنا کر اس کا نام دار البیضاء رکھا مراکو والوں نے اس نام کا پورا شہر بنا دیا۔

برشید مراکو میں امریکہ کا کیلیفورنیا کہلاتا ہے۔ اس مناسب سے ہم امریکہ پہنچ چکے تھے۔ کیلیفورنیا نے بہت دیر تک ساتھ نہیں دیا اور کیسابلانکا کے باغ نظر آنے لگے اس کے بعد صاف ستھری سڑکیں شروع ہوئیں پام کے درخت سبزہ..... پھر شہر پھیل گیا سڑکیں معروف دکانیں گاہکوں سے بھری، زیادہ تر اپارٹمنٹ، چھوٹے بڑے، اونچے ان کا رنگ سفید ہے..... پورا شہر دارلبیضہ ہے۔ ہر اپارٹمنٹ میں ایک گیلری ضروری ہے۔ یہ فرانسیسی تعمیر کا انداز ہے۔ چھتوں پر ڈشیں لگی ہیں۔ امیر شہر رئیس لوگ۔ دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

ایک عمارت دیکھی جولین نے بتایا یہ کیتھولک چرچ ہے۔ اسے بند کر دیا ہے کیسا بلانکا میں عیسائیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ یہ عمارت ثقافتی سینٹر بن رہی ہے۔ سیاح مراکو کی ثقافت کے نمونے دیکھا کریں گے۔ اس شہر میں ایک چرچ عبادت کے لیے موجود ہے۔

دوپہر ڈھلی کیسابلانکا میں موسم گرم تھا۔ کوچ شہر کے ایک حصے میں داخل ہوئی۔ یہ المونیہ ہوٹل ہے۔ جہاں سے سفر شروع کیا تھا اب جو واپس آتے ہیں تو پورا امراکو دیکھ لیا ہے۔ جولین نے بتایا ہم نے دو ہزار کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا ہے۔ صحرا، پہاڑ، میدان، کھیت سفر کے دوران راستے میں آئے۔ ملک کا بڑا حصہ دیکھ لیا۔ المونیہ سیاحوں کا مرکز ہے۔ سامان اتارا جانے لگا۔ جولین نے سب کو چابیاں دیں۔ ہم اب اکیلے کمرے کے مالک تھے۔ باکن انگلینڈ پہنچ چکا ہوگا۔

المونیہ میں دوپہر کے کھانے کا بندوبست تھا لیکن مہنگا۔ اس لیے سامان کمرے میں رکھ کر باہر نکل آئے۔ دکانیں تھیں۔ چائے کے ریسٹورنٹ اور ہماری پسند کے شیش کباب کا ہوٹل، خیاس سے مہنگا، مفت ڈبل روٹی کے چند ٹکڑے، گوشت کی سخت بوٹیاں اور منرل واٹر پر مشتمل دارالبیضہ کا لنچ کھایا اور کمرے کے دل پسند موسم سے لطف اٹھانے واپس آ گئے۔

وہائٹ ہاؤس کی سیر

مراکو میں پہلی خاتون گائیڈ نجید تھیں یہ حیرت انگیز بات تھی۔ جولین نے تعارف کرایا۔ موصوفہ کئی مضامین میں ایم اے تھیں یا ہمیں بتایا گیا۔ نجید بار بار جولین سے لپٹی جاتی تھیں.....

"میرا بھائی۔ میرا بھائی"

وہ اچھی خاصی موٹی۔ آنکھیں پر چشمہ لگائے۔ سانولے رنگ کی معمولی شکل کی خاتون تھیں۔ اہل خانہ نے بے خطر گائیڈ بننے کی اجازت دے دی ہوگی۔ کیوں کہ یہ شمس الدین بٹ کی سائیکل تھیں۔ ایک زمانے میں بٹ صاحب ریڈیو پاکستان راولپنڈی میں ہمارے افسر بھی رہے جب یہ ملازمت میں آئے تو دفتر سائیکل پر آتے اور جہاں چاہتے اسے کھڑی کر دیتے۔ ایک دن کسی نے کہا۔ "آپ اس میں تالا کیوں نہیں لگاتے۔" بٹ صاحب ہنس کر بولے۔ "اس سائیکل کے پیڈل صحیح کام نہیں کرتے۔ ہینڈل آسانی سے نہیں مڑتا۔ ایک پہیہ دوسرے

سے مختلف ہے۔ بریک لگانے کے لیے زمین پر پاؤں رکھنے پڑتے ہیں۔ اگلے پہیے کی تیلیاں ٹوٹی ہوتی ہیں۔ اس لیے تالا لگاتے شرم آتی ہے....."

اس دن سے ناپسندیدہ اور بیکار اشیاء شمس الدین بٹ کی سائیکل کہلائیں نجید ہمارے نزدیک شمس الدین بٹ کی سائیکل تھیں اس لیے بے فکر ہو کر جس سے چاہیں ہاتھ ملائیں۔ گلے لگائیں۔ جی چاہے آنکھ لڑائیں۔

جولین الوداع کہہ کر گیا تو نجید نے کیسا بلانکا کی تاریخ سنانا شروع کی فرانس کے دور حکومت کا حال بڑی محبت سے بتایا۔ فخریہ سنایا۔ کیسا بلانکا کے مکانوں کی تعمیر فرانسیسی انداز کی ہے۔ ہم نے سیر و سیاحت کے دوران بیشتر بستیاں انہی کی تعمیر کی ہوئی دیکھی تھیں۔

کیسا بلانکا میں بڑی رونق ہے۔ ایک اسکوائر پہنچے۔ کوچ روک دی گئی۔ یہ مراکو کا ٹرافیلگر اسکوائر ہے۔ سینکڑوں کبوتر، فرش پر بیٹھے اِدھر اُدھر اُڑتے پھر رہے تھے۔ دنیا بھر سے آئے ہوئے سیاح تصویریں بنا رہے تھے کبوتروں سے کھیل رہے تھے۔

ایک طرف مراکو کے بہت سے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ یہ سُرخ رنگ میں پانچ کونے والا ستارہ اور ہلال کا جھنڈا ہے۔ پانچ کونے سے مطلب اسلام کے پانچ بنیادی اصول، پانچ فرض نمازیں اور ہلال سے مراد اسلامی سال۔

ہوا میں اٹھتے جھنڈے مراکو کی آزادی کا اعلان کر رہے تھے اور اچھے لگ رہے تھے۔ سامنے فرانس کا کانسیلٹ تھا۔ اس کے آگے ایک پرانی یادگار، یہ فرانسیسی حکومت نے تعمیر کی تھی۔ مراکو کی انتظامیہ نے خیر سگالی کے جذبہ کے تحت اسے توڑا نہیں۔ سب نشانیاں قائم رکھی ہیں یہ بڑے ظرف کی بات ہے۔ فرانس والے بھی بھولے نہیں ان کا موجودہ صدر مراکو میں پیدا ہوا تھا۔ ہر سال لاکھوں سیاح فرانس سے اپنے پرانے علاقوں کو، دیکھنے آتے ہیں۔ اسکوائر میں رنگین کپڑے پہنے کچھ لوگ کھڑے گھنٹیاں بجا رہے تھے۔ یہ بہت اچھے لگ رہے تھے سیاح ان کے ساتھ تصویریں کھنچوا کر بخشش دیتے۔ ہمارے نزدیک آئے تو نجید نے انہیں ڈانٹ دیا۔ وہ پڑھ لکھ کر ان لوگوں سے آگے نکل آئی تھی۔ گائیڈ تھی۔ اسے اسکوائر میں گھنٹیاں بجانے کی کیا ضرورت۔

اسکوائر کے سامنے ٹاؤن ہال ہے۔ اس جگہ تمام سرکاری دفاتر قائم ہیں۔ مختلف لباس اور

اورنگ زیب قاسمی

زبان بولنے والوں کا یہ بنارس ہے۔ کیسابلانکا آئیں اور اس جگہ سے محروم رہیں ایسا ممکن نہ تھا۔ کچھ دیر یہاں کی رونق دیکھی پھر کوچ میں سوار ہوکر آگے چلے۔

کیسا بلانکا فیاس اور مراکش کے درمیان واقع ہے۔ صدیوں پہلے اس جگہ ایک بستی تھی انفا۔ بہت کم لوگ رہتے تھے۔ ایک چھوٹا دہلف سمجھیں۔ ۱۴۶۸ء اور ۱۵۱۵ء میں مکمل تباہ ہوگیا۔ پرتگیزیوں نے دوبارہ آباد کیا اور اس کا نام کیسا بیرانکا رکھا۔ یہ آبادی تجارتی جہازوں کی آمد کی وجہ سے مشہور ہوئی پرتگیزیوں نے دوسوسال حکومت کی پھر ہمسائے میں رہنے والے قبیلوں نے انہیں اس علاقے سے نکال دیا۔

سلطان محمد بن عبداللہ نے اس پر قبضہ کیا تو نئے سرے سے تعمیر کیا اور اس کا نام دارالبیضہ رکھا۔ ۱۸ ویں صدی کے آخیر میں اسپین والے یہاں آئے تو کیسابلانکا کے نام کو شہرت ملی اور آج دنیا میں اسی نام سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ مراکو کا سب سے بڑا شہر ہے ملک کی ۱۰ فیصدی آبادی یہاں رہتی ہے۔ صنعتی، معاشی، مالیاتی، تجارتی ادارے سرگرم ہیں۔ دنیا کے بڑے بینک، انشورنس کمپنیاں موجود ہیں۔ یہ مراکو ہی نہیں افریقہ میں ایک مرکزی بندرگاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسکوائر سے ایک چرچ دیکھنے گئے جس میں عبادت ہوتی ہے۔ چرچ بڑی جگہ میں بنایا گیا ہے۔ بہت سی سیڑھیاں چڑھ کر اندر گئے۔ اس میں وہی کچھ تھا جو گرجا میں ہوتا ہے۔ ہمارے ساتھی متاثر ہو رہے تھے۔ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے مجسموں سے بعض نے موم بتیاں بھی روشن کیں۔ چندے کے ڈبے میں کچھ ڈالر بھی ڈالے۔ عیسائیوں کی آبادی کم ہونے کی وجہ سے یہاں عبادت کرنے والے کم آتے ہیں۔ پھر بھی اچھی طرح رکھا گیا ہے۔

نجید باہر کھڑی رہی۔ سیاح گرجا سے نکل کر آئے تو وہ اسلام کے بارے میں بتانے لگی۔ قرآن شریف کی آیتیں بھی سنائیں۔ سب حیران تھے۔ مراکو میں یہ واحد خاتون تھیں جو اسلام کی بات کر رہی تھیں ہمارا گائیڈ عیسائی تھا اور مذہب کے بارے میں گفتگو کم کرتا تھا۔

گرجا کے بعد ہماری منزل رائل کوارٹرز تھے۔ شاہی مکانات۔ ہم سمجھے کوئی شاہی محل کا حصہ ہوگا۔ خاتون کی زبانی بھی مسلمان بادشاہوں کی رنگین داستانیں سنیں گے۔ لیکن وہ تو سرکاری مکانات ہیں جو حکومت کرائے پر دیتی ہے۔ لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے نام رائل

کوارٹرز رکھ دیا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رائل محل نزدیک ہے کچھ اس کا بھی کرشمہ ہے۔ یہ مکانات بڑے اور صاف ستھرے ہیں۔ بعض کے آس پاس پھولوں سے بھری بیلیں بھی ہیں یہ مناسب کرائے پر ملتے ہیں۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ باپ نے کرائے پر لیا اس کے بعد بیٹا اس میں رہ سکتا ہے۔ یہ خاندان میں چلتا رہتا ہے۔ لیکن کسی دوسرے کو کرائے پر نہیں دیا جاسکتا نہ فروخت کیا جاسکتا ہے۔ ان مکانات کو غیر ملکی بھی لے سکتے ہیں۔ وہ درخواست دیں اور اگر ان کا نمبر آجائے تو مل جائے گا۔ اس الاٹمنٹ میں بچوں والے خاندان کو ترجیح دی جاتی ہے۔ وہی نظام جو برصغیر کے ملکوں میں ہے جو سرکاری کوارٹروں کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں انہیں رائل کوارٹرز کا نام دیا ہے۔ بات وہی ہے چاہے کان سیدھا پکڑو یا ہاتھ گھما کر۔

بعض گلیاں ایسی بھی دیکھیں جو پتھر سے بنی تھیں اور چھوٹی تھیں۔ ایک گاڑی نکلے تو دوسری کے لیے مشکل ہے۔ کئی جگہ دکانیں بنی تھیں۔ فٹ پاتھ پر ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ نجید نے سیاحوں کو نماز کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔

سیاح کوارٹروں کے الاٹمنٹ کی تفصیل پوچھنے لگے۔ شاید وہ کیسا بلانکا میں مستقل قیام و طعام پسند کرتے ہوں۔ ہم اتنے دن رہنا چاہتے تھے جتنے در و دیوار سبزہ و گل دیکھ لیں۔ نجید ایک سڑک سے دوسری اور ایک گلی سے نکال کر چوراہے پر لے گئی اور اب شاہی محل کی طرف سفر تھا ایک ہرا بھرا پارک۔ پھر پکا فرش اس کے بعد محل کے دروازے پر پہنچے۔ اسی وقت اذان کی آواز آئی۔ نجید خاموش ہوگئی۔

جب اذان ختم ہوئی اس نے سیاحوں سے معذرت کی اور بتایا مسلمان اذان کا احترام کرتے ہیں اس عرصے میں کوئی کام نہیں کرتے۔ ہمارے سامنے ایک بہت بڑا دروازہ تھا۔ جو شاہی محل کا گیٹ تھا۔ بیچ میں لکڑی اور اوپر لوہے کا بہترین کام تھا۔ نجید اس کی تفصیل بتانے لگی۔ یہ مردانہ دروازہ تھا۔ اس کے بعد زنانہ اس طرف جانہیں سکتے تھے۔ یہ محل بند ہے۔ اس کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔ مراکو کے بادشاہ سلامت سال میں کچھ دن کے لیے یہاں قیام کرتے ہیں۔ اس لیے انتظامات مکمل رکھے جاتے ہیں نجید کھانے پینے اوڑھنے بچھونے کا حساب کتاب بتاتی رہی۔ ہمیں اس سے کیا حاصل حسن پنجم بابائے قوم کہلاتے ہیں انہوں نے ۱۹۵۶ء میں فرانس سے آزادی حاصل کی تھی۔ ۲۳ جولائی ۱۹۹۹ء کو دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔

اورنگ زیب قاسمی

مراکو کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔ ان دنوں جو تخت پر بیٹھے ہیں وہ اس خاندان کے ۲۴ ویں بادشاہ ہیں۔ حسن دریم کے نام سے حکومت کرتے ہیں ۳۸ سال کے ہیں۔ ماشا اللہ جوان ہیں۔ دروغ بر گردن راوی جولین ان کی شان میں گستاخی کر رہا تھا۔ کہتا تھا وہ اپنا نیا محل بنوا رہے ہیں اور مراکو کے عوام بھوک سے مر رہے ہیں۔'' بے وقوف ہے یہ گائیڈ بھی وہ تو اس لیے محل بنوا رہے ہوں گے تاکہ لوگوں کو تعمیر و تزئین سے روزگار ملے۔ ایک طریقہ عوام کی بھلائی کا یہ بھی ہے۔

کوچ میں ساحل سمندر دیکھنے گئے۔ سیاح تو نہانے کے لیے بے چین ہو گئے لیکن نجید نے اجازت نہیں دی۔ ویسے بھی سمندر اس درجہ بپھرا ہوا تھا کہ سب نے دور سے نظارہ کیا۔ اس کی لہریں ایک طرف ابھری چٹانوں سے ٹکرا کر اوپر تک اٹھیں اور سفید جھاگ بن کر واپس جاتیں۔

وہاں سے نکل کر ایک مسجد دیکھنے گئے۔ جس کے بارے میں مراکو والوں کا دعویٰ ہے کہ یہ دنیا کی دوسری بڑی مسجد ہے۔ دنیائے اسلام کی دو بڑی مسجدیں خانہ کعبہ، مسجد نبوی۔ کے بعد کسی کا نمبر آ سکتا ہے۔ یہ مسجد ۱۹۸۷ء میں شروع ہوئی اور ۷ سال ۹ ماہ بعد اگست ۱۹۹۳ء میں تکمیل کے مرحلے میں پہنچی دس ہزار مزدوروں نے ۵ سال تک اس کے لیے مسلسل ۲۴ گھنٹے کام کیا۔ فرانسیسی انجینئر نے سمندر کے کنارے پانی پر بنائی ہے۔ اس کے اندر بیک وقت ۲۰ ہزار مرد اور ۵ ہزار عورتیں نماز ادا کر سکتی ہیں۔ ۸۰ ہزار نمازی باہر بنے خوبصورت فرش پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے اخراجات شہنشاہ مراکو سعودی عرب، کویت اور عوام سے چندہ لے کر بنائی گئی ہے۔ بادشاہ حسن چاہتے تھے اس کا مینار دنیا کی مسجدوں میں سب سے اونچا ہو۔ اس کا تو علم نہیں لیکن اس کی لمبائی ۲۷۰ میٹر ہے اور میلوں دور سے نظر آتا ہے۔ رات کو اس میں روشنی ہوتی ہے اور مکہ مکرمہ کی سمت بتاتا ہے۔ مسجد کو بہترین سہولتوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ فرش کو سردیوں میں گرم رکھنے کا انتظام ہے۔ بجلی سے چلتے ہیں اور کھلنے بند ہونے والی چھت ہے۔ تین منٹ میں پوری چھت بند ہو سکتی ہے اور دو منٹ میں کھل سکتی ہے۔ نمازیوں کو وضو اور عبادت کرنے کی ہر سہولت ہے۔ اندر کا ہال نوٹرڈیم اور سینٹ پیٹر چرچ کے اندر ہال میں سمانے کے لیے خاصی جگہ ہے۔ بتانے کا مطلب ہے یہ ہال بہت بڑا ہے خواہ مخواہ دنیا کے بڑے چرچ

کا نام لیا۔

مسجد حسن کے لیے لکڑی۔ سنگ مرمر۔ اور دیگر اشیاء مراکو کے مختلف شہروں سے آئی ہیں اس کے انجینئر مائیکل پن سیو ہیلن گائیڈ نے یہ نہیں بتایا موصوف کس ملک کے ہیں۔ لیکن ہم شرط لگانے پر تیار ہیں یہ فرانس کے ہوں گے۔ بھلا بتاؤ اس بارے میں کون شرط لگائے گا۔ لیکن سند کے طور پر لکھ دیا ہے۔'' خواہ مخواہ بحث مباحثہ نہ ہو۔ اس کی لاگت 600 ملین ڈالر آئی ہے۔

مسجد حسن میں غیر مسلم جا سکتے ہیں ٹور کی شکل میں جس کا ٹکٹ 150 درہم ہے۔ جولین نے یہ ٹور بک کرنا چاہا۔ کوئی تیار نہیں ہوا۔ عجیب ملک ہے چرچ مفت دکھاتے مسجد کا ٹکٹ لگاتے ہیں۔

کوچ رکی تو ہم جلدی سے اندر تک ہو آئے۔ کیا عالی شان مسجد ہے یہ نماز پڑھنے کی جگہ۔ سجدہ گاہ ہے۔ اس میں سیر کرنے کی کیا چیز ہے۔ یہاں ہم نے بے شمار لوگ دیکھے نماز پڑھتے اور جی خوش ہوا۔ کیسا بلانکا دارالخلیفہ اتنا ہی تھا۔ اس لیے کوچ واپس آ گئی۔

لفٹ کا دروازہ بند ہوا

کیسا بلانکا میں آخری رات تھی۔

آٹھ بجے ڈنر تھا۔

ہم لفٹ سے ڈائننگ ہال میں پہونچے دروازے کے برابر دیوار پر روانگی کا یہ پروگرام لکھا تھا۔

عباسی۔ پیرا۔	4 بجے رات	پرواز چھ بجے صبح
جون۔ رابرٹ۔	8 بجے صبح	پرواز 12 بجے دوپہر
یم یم۔ ملنگ۔	9 بجے صبح	پرواز 11 بجے

کل سہ پہر تک مسافر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ رات کسی پہر نئے سیاح مرا کو دیکھنے آئیں گے۔ زندگی..... پہیہ کی طرح گھومتی رہتی ہے۔

ہال میں زور زور سے بولنے اور ہنسنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ خواتین نے اس ٹور کا سب سے اچھا ڈریس پہنا تھا۔ ان کے بیگ کا یہ آخری لباس تھا جسے وہ سب کو دکھانا چاہتی تھیں۔ پھر یہ لوگ کہاں ہوں گے۔

ہال میں بیٹھے لوگوں کی طرف ہم نے ہاتھ ہلایا اور ایک خالی میز پر بیٹھ گئے۔ جون ہماری طرف آ گئی۔

''اکیلے۔ آپ آ گئیں اب کیسے اکیلے.....''

''میں اپنا گلاس اٹھا لاؤں..... وہ ہنس کر بولی اور اپنی میز کی طرف گئی پلٹ کر آئی تو کہنے لگی..... آپ مجھ سے رابطہ رکھیں گے.....''

''ضرور.....''

''میں نیویارک آؤں گی تو آپ کی مہمان۔ ٹھیک ہے نا.....'' وہ بولی

''کیوں نہیں.....''

ہم جس فراغ دلی سے لوگوں کو مدعو کر چکے تھے۔ اگر وہ سب آ گئے تو! دل کو تسلی دی۔ کون آتا ہے..... اس لمحے یم یم اور ملنگ حشر سامانیاں بکھرتی ہال میں داخل ہوئیں۔ چاروں طرف دیکھا۔ پھر ہماری میز کی طرف بڑھیں..... ''یہاں بیٹھ سکتے ہیں.....''

''ہاں۔ کیوں نہیں.....'' ہم نے ایک نظر میں دیکھا آج رات انہوں نے قتل کا پورا سامان کیا تھا۔

''بہت اچھی لگ رہی ہیں.....'' جون نے مسکرا کر کہا

''شکریہ.....'' ملنگ نے مسکرا کر کہا۔

''کیا خیال ہے مسٹر علی.....'' جون نے پوچھا

''ہم تو ان کے حسن سے اتنے متاثر ہیں کہ تعریف کے لیے لفظ نہیں ملتے۔''

''اوہ..... تو.....'' یم یم شرمانے لگی

آبنوسی رنگت والی ایک سمارٹ دراز قد خاتون مسکراتی آئیں اور روپ رکھ گئیں۔

''آپ نیویارک آئیں''..... ہم نے مدعو کیا

''بہت دور ہے''..... یم یم بولی

اورنگ زیب قاسمی

"ہم نزدیک لے آتے ہیں"..... جون نے اٹھ کر کہا

"علی آپ اس کرسی پر آ جائیں۔ یم یم کے قریب....."

"پلیز آپ بیٹھیں....." لیکن وہ نہ مانی ہمیں زبردستی یم یم کے نزدیک بٹھا دیا۔

"نیویارک اور ہانگ کانگ نزدیک آ گئے۔" اس نے ہنس کر کہا

"یہ کام پہلے دن کر دیتیں تو اچھا تھا....." ہم نے جواب دیا

"آپ ہانگ کانگ آئیں..... اچھی جگہ ہے"..... یم یم بولی

"اب تو آنا ہی پڑے گا۔" ہم نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا سب ہنس پڑے آبنوسی رنگت والی اسمارٹ دراز قد والی خاتون مسکراتی آئیں اور سلاد رکھ گئیں۔

"ہانگ کانگ دیکھنے ساری دنیا آتی ہے"..... ملینگ بولی

"میرا پروگرام ہے..... اگلے سال آؤں گی"..... جون بولی

"پلیز اطلاع کر دیجیے گا۔ ہمارے پاس ٹھہرنے کی جگہ ہے مسٹر علی آپ بھی آیئے"..... یم یم بولی

"اگر جون ساتھ لائیں تب"..... ہم نے کہا

"علی پروگرام بنا لیتے ہیں۔ لطف آئے گا....." جون بولی

"ہم ہانگ کانگ دکھائیں گے۔ نائٹ کلب۔ کیسینو اور بارکمال کی ہیں" یم یم نے کہا۔

"چین کے پاس جانے کے بعد بھی....." ہم نے پوچھا

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ ویسا ہی ہے"..... ملینگ نے بتایا

"تم اپنا پتہ دینا۔ ایک بار ضرور آئیں گے"..... ہم نے کہا

"آپ اپنا پتہ دیجیے گا۔ نیویارک آتا ہوا تو اطلاع کریں گے"..... یم یم بولی

آبنوسی رنگت والی اسمارٹ دراز قد خاتون مسکراتی آئیں اور ایک پلیٹ میں ہرے پتے پر تلی ہوئی مچھلی رکھ گئیں۔

"اچھا ہے۔ چند دن کے سفر میں سب اچھا لگتا ہے۔" ہم نے جواب دیا

"بالکل صحیح کہا ہے۔ یہاں زندگی سخت اور وسائل کم ہیں۔" یم یم نے کہا

"آبنوسی رنگت والی اسمارٹ دراز قد خاتون مسکراتی آئیں اور سب کے لیے موسمی کے رس کے گلاس رکھ گئیں۔

"مراکو میں چار شہر ہیں۔ باقی خشک دیہات۔ سوکھے پہاڑ....." ملینگ نے کہا۔

"اس ملک میں بارش کی کمی ہے..... پانی نہیں ہے....." جون بولی

"کھانے پینے کی اشیاء بھی کم ہیں"..... ملینگ نے کہا

"مجھے بربر قبیلے سے ڈر لگتا ہے"..... یم یم بولی

"وہ عام سے لوگ ہیں..... سیدھے سادھے....." ہم بولے

آبنوسی رنگت والی اسمارٹ دراز قد خاتون مسکراتی آئیں اور ایک بڑی ڈش میں خربوزے اور گرما کے ٹکڑے رکھ گئیں۔

آخرا آئیٹم میز پر آ گیا تھا۔ ڈنر ختم ہونے والا ہے..... یہ چہرے۔ یہ مسکراہٹیں ہمیشہ کے لیے ڈوب جائیں گی۔ دیوار سے جولین لگا کھڑا تھا۔ آج اس کی طرف کسی نے نہیں دیکھا اور ختم ہو گیا تھا۔ گائیڈ اکیلا رہ گیا تھا۔

اداسی نے ہمیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ ہم بھری محفل چھوڑ کر جانا چاہتے تھے۔ اپنی میز سے اٹھے اور لفٹ کا بٹن دبایا۔ جب وہ آنے لگی تو پلٹ کر دیکھا۔ لوگ ہنس رہے تھے قہقہے لگا رہے تھے۔ خوش تھے۔ لفٹ آ گئی اس کا دروازہ کھلا ہم اندر داخل ہوئے۔ دروازہ آہستہ آہستہ بند ہونے لگا۔

ہم نے دیکھا۔ میزوں کے گرد کرسیوں پر دور دراز سے آئے سیاح بیٹھے سفر کے آخری لمحات سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

یہ چہرے مسکراتے۔ ہنستے۔ بولتے۔ ماضی میں ڈوب رہے ہیں.....

لفٹ کا دروازہ بند ہوا تو ہمارے پاس یہی آخری تصویر تھی یادوں کے البم کے لیے۔

اورنگ زیب قاسمی

Sehra Mein Sham

Travelogue by

Qamar Ali Abbasi

Published by
Welcome Book Port (Pvt.) Ltd.
Main Urdu Bazaar Karachi .
Ph: (021) 2633151 - 2639581
Fex: 021-2638086
E-mail : welbooks@hotmail.com

''آبنوسی رنگت والی اسمارٹ دراز قد خاتون مسکراتی آئیں اور سب کے لیے موسمی کے رس کے گلاس رکھ گئیں۔

''مراکو میں چار شہر ہیں۔ باقی خشک دیہات۔ سوکھے پہاڑ.....''

ملینگ نے کہا۔

''اس ملک میں بارش کی کمی ہے..... پانی نہیں ہے.....'' جون بولی

''کھانے پینے کی اشیاء بھی کم ہیں''..... ملینگ نے کہا

''مجھے بربر قبیلے سے ڈر لگتا ہے''..... یم یم بولی

''وہ عام سے لوگ ہیں..... سیدھے سادھے.....'' ہم بولے

آبنوسی رنگت والی اسمارٹ دراز قد خاتون مسکراتی آئیں اور ایک بڑی ڈش میں خربوزے اور گرما کے ٹکڑے رکھ گئیں۔

آخرا آئٹم میز پر آ گیا تھا۔ ڈنر ختم ہونے والا ہے..... یہ چہرے۔ یہ مسکراہٹیں ہمیشہ کے لیے ڈوب جائینگی۔ دیوار سے جولین لگا کھڑا تھا۔ آج اس کی طرف کسی نے نہیں دیکھا ٹور ختم ہو گیا تھا۔ گائیڈ اکیلا رہ گیا تھا۔

اداسی نے ہمیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ ہم بھری محفل چھوڑ کر جانا چاہتے تھے۔ اپنی میز سے اٹھے اور لفٹ کا بٹن دبایا۔ جب وہ آنے لگی تو پلٹ کر دیکھا۔ لوگ ہنس رہے تھے قہقہے لگا رہے تھے۔ خوش تھے۔ لفٹ آ گئی اس کا دروازہ کھلا ہم اندر داخل ہوئے۔ دروازہ آہستہ آہستہ بند ہونے لگا۔

ہم نے دیکھا۔ میزوں کے گرد کرسیوں پر دور دراز سے آئے سیاح بیٹھے سفر کے آخری لمحات سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

یہ چہرے مسکراتے۔ ہنستے۔ بولتے۔ ماضی میں ڈوب رہے ہیں.....

لفٹ کا دروازہ بند ہوا تو ہمارے پاس یہی آخری تصویر تھی یادوں کے البم کے لیے۔